حرمین شریفین میں فرمائے گئے بیانات

زادِ حرم

محبوب العلماء والصلحاء

حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہ

ترتیب وتخریج

مولانا محمد رضوان قریشی نقشبندی

مکتبۃ الفقیر

سرزمینِ حرمین شریفین میں کیے گئے بیانات

مکتبۃ الفقیر

نام کتاب
زادِ حرم

از افادات
حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مدظلہ

تخریج
مولانا محمد رضوان قریشی نقشبندی

کمپیوٹر کمپوزنگ
مولانا محمد رضوان قریشی نقشبندی

اشاعت اول
اپریل 2014ء

تعداد
1100

مکتبۃ الفقیر

041-2618003,041-2649680
0300-9652292,0322-8669680
E-Mail : Alfaqeerfsd@yahoo.com

بسم الله الرحمن الرحيم

مضامین

مضامین

زادِ حرم

مضامین

مضامین

عرضِ مرتب

حج ایک عاشقانہ عبادت ہے۔ اسلام کی عبادات کو یوں دیکھا جاسکتا ہے کہ انسان کے پاس دو ہی چیزیں ہوتی ہیں جو اس کو پیاری ہوتی ہیں، جن کو راحت پہنچانے کے لیے وہ عمر بھر تگ ودو میں لگا رہتا ہے، یعنی جان اور مال۔ اور عبادت نام ہی اسی چیز کا ہے کہ معبود کے لیے، اپنے خالق و مالک کے لیے اپنی پیاری چیزوں کو لگایا جائے، مٹایا جائے، قربان کیا جائے۔ مثلاً: کچھ عبادتیں جسمانی اعتبار سے ہیں کہ آدمی اللہ کی رضا کے حصول کے لیے اپنے جسم کو تھکائے، اس کو مشقت سے گزارے، ریاضت سے گزارے، جیسے نماز اور روزہ۔ کچھ عبادات مالی لحاظ سے ہیں، ان میں مال خرچ کیا جاتا ہے، جیسے زکوۃ، عشر، صدقات وغیرہ۔ کچھ میں جسم اور مال دونوں لگتے ہیں تو عبادت تکمیل پاتی ہے، جیسے حج اور جہاد۔

اب سوچیے! کہ حج ایک ایسی عظیم عبادت ہے کہ اس میں مال بھی خرچ ہوتا ہے کہ ضرورت کی اشیاء خریدنی ہوتی ہیں اور آمد ورفت کا کرایہ بھی موجود ہونا ضروری ہے اور جب حرمین شریفین میں پہنچ جاتا ہے تو پھر انسان اپنے وجود کو تھکا دیتا ہے، کبھی وہ طواف کر رہا ہوتا ہے، کبھی حجر اسود کا بوسہ لے رہا ہوتا ہے، کبھی کنکریاں مار رہا ہوتا ہے اور کبھی نوافل پڑھ کر اپنے جسم کو مشقت میں ڈال رہا ہوتا ہے، غرضیکہ انسان اپنے وجود کو عبادت کی لگام ڈال کر دربار الٰہی میں پامال کر رہا ہوتا ہے اور مقصود اس ساری

مشقت سے فقط رضائے الٰہی ہوتا ہے، کیوں کہ

بندگی سے ہمیں تو مطلب ہے ہم عذاب وثواب کیا جانیں
کس میں کتنا ثواب رکھا ہے عشق والے حساب کیا جانیں

اسی سفرِ ذوق کی ہر مسلمان دل میں تمنا رکھتا ہے اور ہر سال لاکھوں افراد دنیا کے مختلف کونوں سے ارض حرمین میں اس فریضہ کی ادائیگی کے لیے حاضری دیتے ہیں۔

ہمارے حضرت جی دامت برکاتہم کو اللہ تعالیٰ نے یہ شرف عطا فرمایا ہے کہ وہ کافی عرصہ سے ہر سال حج کے لیے تشریف لے جاتے ہیں اور چونکہ حضرت کی معیت میں سینکڑوں افراد ارکان حج ادا کرتے ہیں، اس لیے حرمین شریفین میں مختلف اوقات اور متفرق مجالس میں بیانات فرماتے رہتے ہیں، جن کا سامعین کو بہت زیادہ فائدہ ہوتا ہے۔

زیر نظر کتاب حضرت جی کے ان خطبات کا مجموعہ ہے جو 2011ء کے حج کے موقع پر مختلف مجالس میں ارشاد فرمائے گئے۔ کتاب کو پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ یہ کتاب ہر اس شخص کے پاس ہو جو اس سفرِ ذوق کو کر چکا ہو یا دل میں تمنا رکھتا ہو۔

اللہ تعالیٰ عاجز کی اس کوشش کو شرف قبولیت عطا فرمائے اور اس کتاب کی تیاری میں جن حضرات نے بھی تعاون کیا ان کو جزائے خیر عطا فرمائے اور اپنے مقبول بندوں میں شامل فرمائے۔ (آمین)

فقیر محمد رضوان قریشی نقشبندی
خادم معہد الفقیر الاسلامی جھنگ

عرض ناشر

زیر نظر کتاب (زادِ حرم) حج سے متعلقہ بیانات کا مجموعہ ہے۔ یہ کتاب زیارتِ حرمین شریفین سے شرف یاب ہونے والوں یا اس کی تمنا رکھنے والوں کے لیے بہت مفید ہے، جس میں حرمین شریفین میں حاضری کے آداب کو بہترین پیرائے میں بیان کیا گیا ہے، اس کے علاوہ اسلام کے دو اہم رکن حج اور نماز کے معارف کو بھی دلنشین انداز میں اجاگر کیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ مولانا محمد رضوان صاحب کی عمر، علم اور عمل میں برکت عطا فرمائے کہ جنہوں نے بڑی جانفشانی کے ساتھ ان بیانات کو ترتیب دیا اور کمپوزنگ اور تصحیح وتخریج کے مراحل سے گزار کر مسودہ ''مکتبۃ الفقیر'' کے حوالے کیا۔

یقیناً مسافرانِ حرم کے لیے ''زادِ حرم'' ایک ضرورت ہے، اس لیے ادارہ ''مکتبۃ الفقیر'' ان بیانات کو ہر مسلمان کی ضرورت سمجھتے ہوئے کتابی صورت میں شائع کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہے۔

قارئین کرام سے گزارش ہے کہ اشاعت کے اس کام میں کہیں کوئی کمی یا کوتاہی محسوس ہو یا اس کی بہتری کے لیے تجاویز رکھتے ہوں تو مطلع فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی رضا اور خوشنودی عطا فرمائے اور اس کام کو قبول فرما کر آخرت میں نجات کا ذریعہ بنائے۔ (آمین)

فقیر سیف اللہ احمد نقشبندی مجددی

مکتبۃ الفقیر 223 سنت پورہ فیصل آباد

تین

مراکزِ تجلیات

تین مراکزِ تجلیات

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ کَفٰی وَ سَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

﴿اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَکَّۃَ مُبٰرَکًا وَّ ھُدًی لِّلْعٰلَمِیْنَ﴾

(آل عمران:۹۶)

سُبْحٰنَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْنَ ○ وَسَلٰمٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ ○

وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ○

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ بَارِکْ وَسَلِّمْ

﴿اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ﴾

’’یہ دنیا کا پہلا گھر ہے جو بنایا گیا لوگوں کے لیے (عبادت کرنے کے لیے)۔‘‘

ایک سوال:

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس سے پہلے بھی لوگوں نے گھر بنائے ہوئے تھے تو پھر پہلا گھر کیوں کہا؟

جواب:

تو جواب یہ ہے کہ پہلے گھر رہائش کے لیے بنائے گئے تھے اور یہ گھر عبادت کے

لیے بنایا گیا۔ تو دنیا میں عبادت کی نیت سے بنائے جانے والا پہلا گھر بیت اللہ ہے۔

خانہ کعبہ پہلے بنایا گیا یا زمین؟

اکثر جگہوں پر یہ بات چلتی ہے کہ دنیا میں پہلے زمین بنائی گئی پھر اللہ نے کعبہ کو بنایا۔ حالانکہ یہ Concept غلط ہے، اس لیے کہ پہلے کعبہ بنا پھر زمین بنائی گئی۔ وہ کیسے؟ کہ کعبہ اس پتھر کے گھر کا نام نہیں ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ کی جو تجلیات ذاتیہ وارد ہو رہی ہیں ان کا نام کعبہ ہے۔ اس لیے اگر بالفرض والتقدیر پتھر کے گھر کو مٹا دیا جائے، ہٹا دیا جائے تو پھر بھی اسی جانب منہ کر کے نماز پڑھی جائے گی۔

اصل تجلیات ہیں۔۔۔ عمارت ایک نشانی ہے:

چنانچہ چند سال پہلے تعمیر کی وجہ سے بنیادوں میں پانی آ گیا تھا اور ایسا وقت بھی آیا کہ یہ سب پتھر ہٹا دیے گئے اور نئے سرے سے واٹر پروف کر کے بنیاد رکھی گئی۔ اور پتھر وہی لگا دیے گئے اور انہی جگہوں پر لگائے گئے جہاں سے اتارے گئے تھے۔ تو یہ عمارت ایک نشانی ہے اور اصل تجلیات ہیں، یہ تجلیات عرش کے اوپر سے آرہی ہیں اور تحت الثریٰ تک جارہی ہیں، اسی لیے جب یہ آسمانوں سے گزرتی ہیں تو وہاں ان کا نام ''بیت المعمور'' ہے اور جب یہ زمین پر اترتی ہیں تو ان کا نام ''بیت اللہ'' ہے۔ اللہ کی شان دیکھیں! کہ آسمانوں پر فرشتے اس کے گرد طواف کر رہے ہیں اور زمین پر انسان طواف کرتے ہیں۔

قرآن مجید کی سچائی:

ایک مرتبہ ہم لوگ واشنگٹن میں تھے تو ایک صاحب کہنے لگے کہ آج آپ کو ہم نے

ایک اہم چیز دکھانی ہے۔ہم نے پوچھا: وہ کیا؟ وہ کہنے لگے کہ وہ ستاروں کے بارے میں ہے اور بہت ہی انفرمیٹڈ ہے۔وہ ہمیں دکھانے کے لیے ایک سائنس میوزیم میں لے گئے۔اس میں ہم نے دیکھا کہ جیسے ایک ''سیارہ گاہ'' میں آسمان کا منظر ہوتا ہے، اس میں ستارے ہوتے ہیں، اس طرح یہ منظر تھا۔ان کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ اگر ایک آدمی کسی جنگل میں یا سمندر میں گم ہو جائے اور نہ اسے وقت کا پتہ ہو اور نہ سمت کا پتہ ہو تو کیسے پتہ چلائے گا؟ انہوں نے کہا کہ وقت کا تو اسے سورج سے پتہ چل جائے گا اور سمت کا پتہ چلے گا ستاروں سے۔قرآن مجید نے بھی چودہ سو سال پہلے کہہ دیا:

﴿وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُونَ﴾ (النحل:١٦)

''اور ستاروں سے لوگ راہ پاتے ہیں۔''

پھر انہوں نے بہت ساری باتیں بتائیں کہ آسمان کے جو ستارے ہیں ان کی یہ شکل بنتی ہے اور یہ شکل بنتی ہے، جب سحری ہوتی ہے تو یہاں ہوتا ہے۔یہ تقریباً وہی باتیں تھیں جو ہم اپنے بڑوں سے سنتے چلے آ رہے تھے۔

مجھے یاد ہے کہ جب میرے والد صاحب تہجد کے لیے اٹھتے تھے تو بس آسمان کی طرف دیکھتے رہتے تھے۔اس زمانے میں گھڑی نہیں ہوتی تھی، کہیں کہیں گول جیسی گھڑی ہوتی تھی اور ہاتھوں والی گھڑیاں عام نہیں ہوتی تھیں۔میں ان سے پوچھا کرتا تھا کہ کیا دیکھتے ہیں؟ وہ فرماتے تھے کہ یہ ستارہ (انہوں نے ستاروں کے پنجابی میں نام رکھے ہوتے تھے اور نام لے کر کہتے تھے) جب یہاں ہوتا ہے تو سحری کا وقت ہو جاتا ہے۔تو پہلے وقتوں میں بھی آسمان کے ستاروں سے حساب لگاتے تھے۔تقریباً یہی باتیں ان صاحب نے ہمیں Sientifice Language میں سمجھائیں اور عجیب چیز یہ کہ انہوں نے بتایا کہ آسمان کے کچھ ستارے حرکت کرتے ہیں اور کچھ ایک ہی

جگہ ساکن ہیں، ہلتے نہیں۔ عام Concept یہ ہے۔ انہوں نے کہا کہ حقیقت یہ ہے کہ آسمان کے سارے ستارے چلتے ہیں۔ فرق اتنا ہے کہ جو تیز چلتے ہیں وہ ہمیں بھی چلتے دکھائی دیتے ہیں اور جو آہستہ چلتے ہیں چل وہ بھی رہے ہوتے ہیں، لیکن وہ ہمیں چلتے دکھائی نہیں دیتے۔ پھر انہوں نے کہا کہ ہم آپ کو اس کا ایک آئیڈیا دکھاتے ہیں کہ صورتحال کیا ہے؟ انہوں نے دکھایا تو آسمان پر ایک ستارہ تھا جو بالکل اپنی جگہ ساکن تھا اور سارے ستارے اس کے گرد تھے۔ اسی وقت میرے ساتھ ایک آدمی بیٹھے ہوئے تھے، میں نے ان سے کہا کہ اگر یہ سارے ستارے چل رہے ہیں اور ایک ستارہ نہیں چل رہا تو ممکن ہے کہ یہ وہ ہی جگہ ہو جس کے اوپر بیت المعمور ہے اور یہاں سے تجلیات نیچے اتر رہی ہوں۔ تو اگر یہ صورت بنی تو آسمان پہ اس کے گرد فرشتوں نے طواف کیا اور زمین پر اس کے گرد انسانوں نے طواف کیا اور درمیان میں جتنا جہان ہے اس کی ساری مخلوق اس کے گرد طواف کر رہی ہے۔ یوں سمجھیں کہ یہ طواف آسمانوں سے لے کر زمین تک ہو رہا ہے۔ ہمیں اللہ نے یہ سعادت دی کہ ہم بھی اس عبادت کا حصہ بنتے ہیں، ہم بھی شامل ہوتے ہیں۔

تو اللہ رب العزت نے اپنی تجلیات کا نزول پہلے فرمایا اور جس جہت پر وہ تجلیات نازل ہوئیں، نیچے پانی تھا تو اس کے اندر ایک بلبلہ پیدا فرما دیا، وہ بلبلہ پھیلا تو یہ زمین بن گئی۔ تو زمین سے کعبہ نہیں بنا، بلکہ کعبہ پہلے سے تھا، یعنی وہ تجلیات ازل سے تھیں۔ اس جگہ پر اللہ نے نشاندہی کر کے ایک نشانی بنوادی جسے ہم ''بیت اللہ'' کہتے ہیں۔

کعبہ وسطِ عالم.... اولِ عالم.... مرکزِ عالم:

اس لیے یہ آدم علیہ السلام سے پہلے فرشتوں نے بنایا تھا پھر آدم علیہ السلام نے آکر اس کی

دوبارہ بنیاد رکھی۔ پھر وقت کے ساتھ یہ مٹی چلی گئی، پھر ابراہیم علیہ السلام نے ان بنیادوں کو دوبارہ کھڑا کیا اور ان کی تعمیر کا تذکرہ قرآن مجید میں بھی ہے۔ اس لیے اگر کوئی آدمی بیت اللہ کی چھت پر چڑھ جائے تو کیسے نماز پڑھے گا؟ عمارت تو نیچے ہے۔ وہ اوپر ہی نماز پڑھے گا، اس لیے کہ اصل تو تجلیات ہیں۔ اسی طرح اگر کوئی آدمی Space پر چلا جائے تو وہاں بھی یہی صورت ہے، اس لیے کہ جہاں بھی وہ Space میں ہوگا تجلیات تو درمیان میں ہوں گی، نور کا ایک قالب ہوگا۔ تو یہ تجلیات ہر وقت نازل ہو رہی ہیں، اس لیے بیت اللہ کو ''مرکز تجلیات'' کہا جاتا ہے۔ یہ مرکزِ عالم ہے، اولِ عالم ہے، وسطِ عالم ہے۔ اول عالم تو اس لیے کہ سب سے پہلا گھر یہ بنا۔ مرکزِ عالم اس لیے کہ یہ انسانوں کے لیے ہدایت کا مرکز ہے۔ فرمایا:

﴿هُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ﴾

''جہانوں کے لیے ہدایت ہے۔''

اور وسطِ عالم اس لیے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا:

''اے لوگو! تم وسطِ امت بھی ہو اور وسطِ عالم میں بھی ہو۔''

مقصد یہ کہ مرکزِ عالم ہو اور مرکز کی یہ خصوصیت ہوتی ہے کہ وہ وسط میں ہوتا ہے۔ اور ویسے بھی اگر آپ جغرافیائی اعتبار سے دیکھیں تو جزیرۂ عرب تین طرف سے پانی سے گھرا ہوا ہے اور ایک طرف سے زمین کے ساتھ جڑا ہوا ہے، جیسے انسان کے جسم میں دل ہوتا ہے، کہ وہ تین طرف سے جڑا ہوا ہوتا ہے اور نیچے لٹک رہا ہوتا ہے اور اس پر انسان کی زندگی کی بنیاد ہے۔ دل بند ہوا تو زندگی ختم ہوئی، جب تک دل دھڑکتا رہے گا زندگی باقی رہے گی۔ تو یہ جزیرۂ عرب اس کائنات کا جغرافیائی قلب ہے، کہ

تین طرف سے پانی ہے اور اوپر سے جڑا ہوا۔ جب تک یہ دھڑ کتا رہے گا دنیا رہے گی اور جب یہ بند ہو جائے گا تو کائنات ختم ہو جائے گی۔ حدیث پاک میں فرمایا گیا کہ قربِ قیامت میں دو چھوٹی چھوٹی پنڈلیوں والا ایک حبشی شخص بیت اللہ کو گرادے گا۔

(صحیح بخاری، حدیث:۱۵۹۶)

اور اس کے بعد اس کائنات کو ختم کر دیا جائے گا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ جزیرۂ عرب اس دنیا میں قلب کی حیثیت رکھتا ہے۔ تو اللہ رب العزت نے اپنے گھر کو اس جگہ بنایا جہاں اس کی تجلیات کا ورود ہوتا ہے۔

بیت اللہ چوکور کیوں ہے؟
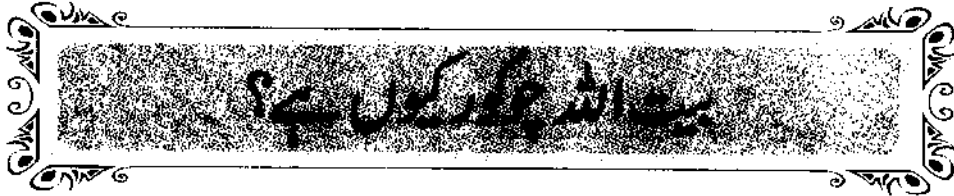
پہلی توجیہ:

اچھا اللہ تعالیٰ نے اپنے گھر کو چوکور کیوں بنایا؟ اس لیے کہ عموماً انسان جو گھر بناتے ہیں وہ ایک کمرے سے ابتدا ہوئی اور پھر پھیلتے چلے گئے اور محل بننے لگ گئے، مگر محل جتنا بھی پھیل جائے کمرہ تو چوکور ہی ہوتا ہے، تو گھر کی تشبیہ کمرے سے دینی تھی لہذا اللہ تعالیٰ نے وہاں چوکور گھر بنایا۔

دوسری توجیہ:

اور ایک توجیہ اس کی یہ بھی ہے کہ بادشاہوں کے تخت ہوتے ہیں اور تخت چوکور ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا بھی تو ایک پایۂ تخت ہے، اس تخت کے نیچے جو جگہ تھی یوں سمجھ لیں کہ اس کو چوکور بنا دیا گیا کہ اس جگہ پر تجلیات ظاہر ہوں۔

اور ویسے بھی آج کے زمانے میں Black Box مشہور ہیں، جو انفارمیشن کا مرکز

ہوتا ہے، اور اس کائنات کی انفارمیشنز اس Black Box کے اندر ہیں جو اللہ نے بنایا ہے۔ اس لیے اس کو پہلا گھر کہا گیا۔

طواف، گولائی میں کروانے کی وجہ:

پھر اللہ رب العزت نے اس گھر کا طواف گولائی میں کروایا، حالانکہ چوکور بھی کروا سکتے تھے۔ اگر فرماتے کہ تم یوں سیدھا جاؤ اور یوں سیدھا جاؤ اور پھر وہاں سے ایسے آؤ پھر ایسے آؤ تو طواف ہو جاتا تھا، مگر اللہ تعالیٰ نے گولائی میں طواف کرنے کا حکم دیا۔ کیوں؟ اس لیے کہ تجلیات جب ظاہر ہوتی ہیں تو ان کی مرکزیت ہوتی ہے، ان کا ایک مرکز ہوتا ہے اور مرکز چاہتا ہے کہ ہر طرف سے جو میرے قریب رہے وہ گول ہو، اگر چوکور ہو تو ہر طرف والا قریب تو نہیں ہو سکتا۔

سلسلہ نقشبندیہ میں دائرہ کے اسباق:

ہمارے سلوکِ نقشبندیہ میں ''دائرہ'' کے اسباق ہیں، جیسے دائرۂ اول، دائرۂ ثانی۔ کیوں؟ اس لیے کہ سالک اپنے آپ کو محسوس کرتا ہے کہ میں مرکز میں ہوں میرے چاروں طرف برابر کی تجلیات ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی تجلیات کے لیے گولائی کو پسند کیا:

اور ویسے بھی اگر آپ غور کریں تو اللہ تعالیٰ کی جو تجلیات دنیا میں وارد ہیں اس میں اللہ نے گولائی کو پسند کیا ہے۔ مثلاً: انسان کو اللہ تعالیٰ نے گولائی میں پیدا کیا، ہے لمبا اور پیدا گولائی میں کیا۔ ہر عضو کو دیکھو! بازو دیکھو تو گول ہے۔ انگلی کو دیکھو تو گول ہے۔ جسم کا کوئی عضو ایسا نہیں جو چوکور بنایا ہو۔ ہیں تو سب گول نا! آنکھیں گولائی میں، پیٹ گولائی میں،

ہڈیاں گولائی میں، ہر چیز گولائی میں۔اسی طرح پھل دیکھو تو گولائی میں، درختوں کے تنے گولائی میں، اسی طرح کسی بھی چیز کو دیکھو گے تو اس میں اللہ نے گولائی کو زیادہ پسند فرمایا ہے۔تو تجلیات کے لیے بھی اللہ نے گولائی کو پسند کیا اور اسی گولائی کی وجہ سے طواف میں بھی گولائی کو پسند کیا، کہ تم آؤ اور گول دائرے میں چکر لگاؤ، تاکہ تم ہر طرف سے میرے مرکز کے قریب ہی رہو، ہر وقت تم مرکز کے قریب رہو۔

طواف Anti clock wise کیوں کیا جاتا ہے؟

اچھا! طواف Anti clock wise (انٹی کلاک وائز) کیوں کرتے ہیں؟ Clock wise (کلاک وائز) بھی تو کر سکتے تھے؟ اس لیے کہ یہ محبت کا ایک عمل ہے اور دستور یہ ہے کہ محبت قرب چاہتی ہے۔اللہ رب العزت نے چاہا کہ اے میرے بندے! تیرا دل تیرے بائیں جانب ہے اور میں چاہتا ہوں کہ تیرا دل میرے گھر کے قریب رہے۔اگر Clock wise طواف کرنے کا حکم فرمادیتے تو دل گھر سے دور ہوتا، اس لیے Anti clock wise طواف کرنے کا حکم دیا، تاکہ دل گھر کے زیادہ قریب ہو۔

’’انگشت محبت‘‘:

ایک جگہ ہم بیٹھے ہوئے تھے۔ایک نوجوان کی منگنی تھی، اس نے ایک بوڑھے میاں کو بتایا، اس بوڑھے میاں نے کہا کہ تم نے اپنی منگیتر کو انگوٹھی پہنانی ہے اور پوچھا کہ تمہیں پتہ ہے کہ کس انگلی میں انگوٹھی پہنانی ہے؟ اس نے کہا: مجھے تو نہیں پتہ۔پھر اسے بتایا گیا کہ ایک انگلی ایسی ہے جس کا نام ہے ’’انگشت محبت‘‘۔اور وہ یہ ہے (چھوٹی انگلی کے ساتھ والی انگلی) اس لڑکے نے پوچھا کہ یہ انگلی ’’انگشتِ محبت‘‘ کیسے؟ اس کہنے

والے نے کہا کہ یہ انگشتِ محبت اس طرح بنتی ہے کہ ہاتھ کی انگلیوں میں جو شریانیں دل سے آ رہی ہیں، ان میں سے جو سب سے چھوٹا راستہ ہے دل تک پہنچنے کا وہ یہ شریان ہے۔ اور ہم نے اس بات کی ایک میڈیکل ڈاکٹر سے تحقیق کی تو یہ بات Hundred Parcent ٹھیک نکلی کہ تمام شریانیں جو آتی ہیں ان میں سب تھوڑی تھوڑی لمبی ہیں، لیکن اس انگلی والی سب سے چھوٹی ہے۔ تو جو دل کے زیادہ قریب ہے وہ کیا کہلائی؟ ''انگشتِ محبت۔'' تو محبت چونکہ قرب چاہتی ہے تو اس نے قرب کی وجہ سے محبت کا نام پالیا۔

تین مراکزِ تجلیات

اچھا! اب اللہ تعالیٰ نے جو اپنے گھر کا طواف اور عبادت کرنے کا حکم فرمایا تو یہ حقیقت میں مرکزِ تجلیاتِ ذاتیہ ہیں۔ یہ ذہن میں رکھیں کہ دنیا میں تین مراکز ہیں جو شریعت نے بتائے ہیں۔

ا.... بیت اللہ... مرکزِ تجلیاتِ ذاتیہ:

ایک مرکز بیت اللہ ہے۔ یہ مرکزِ تجلیاتِ ذاتیہ ہے۔ تجلی کا تذکرہ قرآن مجید میں ہے:

﴿فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ﴾ (الاعراف:۱۴۳)

اب تجلی کیا ہوتی ہے؟ اس کی آگے تفصیلات ہیں۔ تاہم اللہ تعالیٰ نے بیت اللہ پر اپنی ذات کی تجلیات کو نازل فرمایا۔

۲.... بیت المقدس... مرکزِ تجلیاتِ صفات:

دوسرا مرکز ہے بیت المقدس، اور اس پر اللہ تعالیٰ نے اپنی صفات کی تجلیات کو

نازل فرمایا۔ بیت المقدس تجلیاتِ صفات کی جگہ ہے۔

۳...کوہِ طور...مرکزِ تجلیاتِ شیوناتِ ذاتیہ:

اور اللہ تعالیٰ نے ایک تیسرا مرکز بھی بیان فرمایا جس کو ''کوہِ طور'' کہتے ہیں۔ وہاں پر اپنی شیونات کو ظاہر فرمایا۔ اور سلسلے والے لوگ تو جانتے ہیں کہ ذات ایک چیز ہوتی ہے اور ایک اس کی صفات ہوتی ہیں اور پھر اس کی شیونات ہوتی ہیں۔

تینوں مراکز میں فرق کی وضاحت۔۔۔ایک مثال سے:

ان تینوں میں فرق کیا ہے؟ ان میں فرق کو ظاہر کرنے کے لیے ایک مثال دیتا ہوں جو ناقص فہم رکھنے والے بندوں کو بھی جلدی سمجھ میں آ جائے گی۔

فرض کرو! ایک عورت ہے، ایک اس کی ذات ہے، اس ذات میں اس کو حسن ملا ہوا ہے۔ تو اس کا حسین چہرہ اور اس کا جسم، یہ اس کی ذات ہے۔ پھر اس کے اندر کچھ صفات ہیں، مثال کے طور پر: وہ پڑھی لکھی ہے، وہ عقل مند ہے، وہ باوفا ہے، وہ پاکدامن ہے، وہ نیک ہے، وہ اچھے اخلاق والی ہے اور اس کے اندر تواضع ہے، یہ تمام چیزیں اس کی صفات کہلائیں گی تو خوبصورت چہرہ اور خوبصورت جسم اس کی ذات کہلائی اور یہ چیزیں اس کی صفات کہلائیں۔

ایک چیز اور بھی ہوتی ہے، اس کو کہتے ہیں: ''ناز و انداز۔'' یہ اس کے شیونات ہوتے ہیں، یہ الگ چیز ہوتی ہے، چنانچہ آپ دیکھیں گے کہ ایک عورت خوبصورت تو ہے، لیکن اس کے اندر کشش اس لیے نہیں ہے کہ اس کے اندر ناز و انداز ہی نہیں ہیں۔ ناز و انداز ایک الگ چیز ہے۔ اور کئی لوگ دیکھنے میں اتنے خوبصورت نہیں ہوتے، لیکن ناز و انداز کی وجہ سے پرکشش بن جاتے ہیں۔ مثلاً: ان کی مسکراہٹ

اچھی لگتی ہے، دیکھنا ان کا ادب کے ساتھ، شرمیلے انداز کے ساتھ۔ وہ جو شرمیلا پن ہے اور مسکراہٹ ہے، وہ کیا کہلائے گا؟ شیونات کہلائے گا۔ چنانچہ شادی کے پہلے دنوں میں دلہن روز ہی میک اپ کرتی ہے، اب ہے تو وہی ایک ہی باڈی، لیکن کبھی وہ بالوں کو اس انداز سے بناتی ہے، کبھی کپڑے نیلے رنگ کے، کبھی پیلے رنگ کے، کبھی سرخ رنگ کے اور کبھی گلابی رنگ کے۔ وہ یہ سمجھتی ہے کہ روزانہ جو میں نہا کے اچھے کپڑے پہن کر تیار رہتی ہوں تو یہ میرا ایک نیا انداز ہوتا ہے، اب یہ اپنے خاوند کو زیادہ پرکشش لگتی ہے، اس کو روپ بھی کہہ دیتے ہیں کہ ایک نیا روپ۔ تو روپ تجلیات ہیں، وہ عورت ہے تو وہی جو کل تھی، مگر آج جن کپڑوں کے ساتھ وہ تیار ہوئی اس میں ایک نیا روپ ہے، وہ سمجھتی ہے کہ روز ایک نئے روپ کے ساتھ میں آؤں گی تو خاوند کی طرف سے ایک نیا جذبہ محبت مجھے ملے گا، جب دلہن کا یہ معاملہ ہے تو وہ پروردگار عالم جس نے خود خوبصورتی کو پیدا کیا اس کی اپنی خوبصورتی کا کیا عالم ہوگا!! اس لیے اس نے کہہ دیا کہ لوگو! وہ ایسا محبوبِ حقیقی ہے کہ

﴿كُلَّ يَوۡمٍ هُوَ فِىۡ شَاۡنٍ﴾ (الرحمن:۲۹)

''ہر دن اس کا نیا انداز ہے، ایک نیا جلوہ ہے۔''

محبوب کا جلوہ:

شیونات کے لیے ''جلوہ'' ایک بہتر لفظ ہے۔ اب ذرا سوچیں! جب محبوب کا جلوہ روز نیا ہے تو عاشق کا ولولہ بھی تو روز نیا ہونا ہے، اس لیے اگر عاشق کو ایک ہزار سال کی عمر دے دی جائے تو اللہ کی عبادت سے نہ تھکے گا نہ رکے گا، اس لیے کہ محبوب کے جلووں کی انتہا نہیں اور عاشق کے ولولوں کی انتہا نہیں۔ تو اس مرکز کو ''مرکزِ تجلیاتِ

ذاتیہ" کہا جاتا ہے۔

اور جس کو اللہ نے بیت المقدس بنایا وہ اللہ کی صفات کے نزول کا مرکز ہے۔

ایک تیسری جگہ ہے جس کو اللہ نے مرکز بنایا ہے، وہ "کوہِ طور" ہے۔ یہاں اللہ نے ہم کلامی کی اور یہاں اللہ کی شیونات ِذاتیہ کا نزول ہوتا ہے۔

تینوں مراکز برکت والے:

اچھا یہ تینوں مراکز جو اللہ نے پورے عالم کے لیے بنائے ان تینوں کو اللہ نے برکت والا بنایا ہے۔ مثلاً: بیت اللہ کے بارے میں فرمایا:

﴿اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَکَّۃَ مُبٰرَکًا وَّھُدًی لِّلْعٰلَمِیْنَ﴾
(آل عمران:۹۶)

تو یہ جگہ بھی برکت والی ہے، لہٰذا اس کی برکتیں پوری دنیا میں تقسیم ہوتی ہیں۔

دو دائرے (داخلی خارجی):

چنانچہ اس مبارک جگہ پر اللہ نے دو دائرے بنا دیے۔ ایک دائرہ داخلی ہوتا ہے اور ایک دائرہ خارجی ہوتا ہے، داخلی کو اللہ نے حرم بنا دیا اور خارجی کو میقات، لہٰذا ہم لوگ جو آفاقی ہیں، ہم جب حرم کا قصد کرتے ہیں تو ہمیں دو دائرے کراس کرنے پڑتے ہیں۔ ایک دائرہ ہوتا ہے میقات کا کہ بھئی! منزل آنے والی ہے احرام باندھ لو، پھر جب آگے آتے ہیں تو جدہ سے آگے ایک دروازہ بنا ہوا ہے کہ بھئی! اب تم حدودِ حرم میں داخل ہو گئے، یہ ایسے ہی ہے جیسے ایک گھر کے باہر کی باؤنڈری وال ہوتی ہے، داخل ہونے کے لیے گیٹ ہوتا ہے، مگر داخل ہونے کے بعد جگہ تو خالی پڑی ہوتی ہے، عمارت تو اندر بنی ہوتی ہے۔ اب سمجھیں کہ کوٹھی کے اندر کا جو ایریا ہے، وہ حرم ہے اور جو باہر کا

راستہ ہے وہ میقات ہے۔

مدینہ طیبہ کی طرف میقات طویل کیوں؟

اللہ کی شان دیکھیں کہ یہ میقات کہیں پچاس میل ہے، کہیں ساٹھ میل ہے اور کہیں چالیس میل ہے، ہر طرف تھوڑا تھوڑا فاصلہ ہے سوائے مدینہ طیبہ کے۔ ادھر سے میقات ہے چار سو کلومیٹر۔ تو ہر جگہ ہے تھوڑا تھوڑا اور ایک طرف سے بہت لمبا، اس میں کیا حکمت ہے؟

پہلی وجہ:

جواب آسان ہے، وہ یہ کہ اگر ایک گھر ہو اور اس کے قریب محبوب کا بھی گھر ہو، تو ایک دروازہ اس سمت میں کھول دیتے ہیں۔ ہم نے یہ بات دیکھی ہے کہ ایک جگہ دو بندوں نے گھر بنایا اور ایک طرف سے دیوار میں سے ایک دروازہ بھی نکال لیا۔ تو رب کریم کے محبوب کی محبوبیت کا تقاضہ تھا کہ ایک طرف تو صحن اپنے اتنا قریب رکھا کہ ساری دنیا والو! چل کر آؤ اور یہاں آکر مشغول ہو جاؤ اور میرے محبوب کے پاس جانے کے لیے تمہیں چل کر نہیں جانا پڑے گا، تم گھر سے قدم باہر رکھو گے تو میرے گھر میں تمہارا داخلہ ہو جائے گا، لہذا مدینہ طیبہ کی سرزمین کے شروع سے ہی میقات شروع ہو جاتی ہے، تمہارا سفر اندر ہی اندر ہے، باہر ہے ہی نہیں کہ تمہارا گھر الگ ہے اور میرا گھر الگ ہے اور تم چل کر میرے گھر کی طرف آؤ، نہیں! تم کیوں چل کے آؤ گے؟ آپ تو محبوب ہو، آپ تو قدم رکھو گے اور میرے گھر کا دروازہ کھل جائے گا، میقات شروع ہو جائے گی۔

دوسری وجہ:

اور ایک اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ رب کریم نے انصار کی قدردانی فرمائی... اللہ تعالیٰ بہت قدردان ہیں... فرمایا کہ تم وہ لوگ ہو کہ جن لوگوں نے میرے محبوب کی حفاظت کی، ان کی خاطر جانیں دیں اور ان کو اپنے گھر ٹھہرایا، تم جھکے نہیں اور تم رکے نہیں، تمھیں قریشِ مکہ نے تکلیفیں پہنچائیں، مگر جو بھی ہوا تم نے کہا کہ اے اللہ کے حبیب! آپ پہاڑ سے کود جانے کو کہیں گے تو ہم کود جائیں گے، سمندر میں چھلانگ لگانے کو کہیں گے تو ہم چھلانگ لگا دیں گے۔ چونکہ تم وہ لوگ ہو، اور اب تم میرے گھر آنا چاہتے ہو، میں تمھیں اس دنیا میں فاصلہ طے کرنے سے بچاؤں گا اور اپنے گھر کا دروازہ تمہارے اتنا قریب کر دوں گا... تم نے اپنے گھروں میں میرے حبیب کو پناہ دی تھی، آج میں نے تمہارے لیے اپنے گھر کا دروازہ اتنا قریب رکھا... یہ اللہ تعالیٰ کی قدردانی کی انتہا ہے!!

حدودِ حرم میں عبادت کا ثواب:

تو بہرحال ایک ہے مرکزِ تجلیات، وہ ہے بیت اللہ اور اس کے گرد اللہ تعالیٰ نے دو دائرے لگا دیے، ایک دائرہ داخلی ہے، جہاں بہت زیادہ برکتیں ہیں، حتیٰ کہ اگر کوئی ایک عبادت یہاں کرے گا تو ایک لاکھ عبادت کا ثواب ملے گا۔

اب دیکھیں! علما نے لکھا ہے کہ حرم کے اندر ایک نماز ایک لاکھ نماز کے برابر ہے۔ اس پر فقہاء نے باقاعدہ بحث کی ہے کہ یہ ثواب حدودِ حرم کے اندر ہے یا پورے حرم کے اندر ہے؟ چنانچہ زیادہ علما نے تو کہا کہ بیت اللہ کے اندر ہے، مگر دوسرے علما نے

کہا کہ نہیں! اب روزہ اندر ہی بیٹھ کر تو نہیں رکھے گا، وہ تو باہر ہی رکھے گا، اگر دکان باہر ہے تو وہ باہر ہی سارا دن گزارے گا، تو کیا وہ اس عبادت سے محروم رہے گا؟ اس لیے انہوں نے کہا کہ پورے حرم کے اندر اندر رہ کے جو عبادت کرے گا اس کو ایک لاکھ عبادت کا ثواب ملے گا۔ اس لحاظ سے پورا حرم اس فضیلت میں آ گیا کہ یہاں کا ایک روزہ ایک لاکھ روزے کے برابر اور ایک روپیہ کا صدقہ ایک لاکھ روپے کا صدقہ شمار ہوگا۔ ہر عبادت کا درجہ یہاں پر ایک لاکھ کے برابر ہے، اس کا مطلب یہ کہ ایک بیت اللہ تھا جو خود ہی برکت والا گھر تھا اور حدودِ حرم وہ زیادہ برکتوں والی، اور پھر اس کے ساتھ ایک اور جگہ جس کو میقات کہا گیا، یہ بھی برکتوں سے خالی نہیں، کیونکہ یہاں سے کوئی بھی احرام باندھے بغیر اندر جا ہی نہیں سکتا۔ یہ تجلیاتِ ذاتیہ تھیں۔

بیت المقدس.... برکت والی جگہ:

اور جہاں اللہ نے تجلیاتِ صفات نازل فرمائیں وہاں پر بھی اللہ نے برکتیں نازل فرمائیں، مگر وہ برکتیں اس جگہ سے ذرا کم ہیں۔ اللہ نے فرمایا کہ وہ جگہ برکت والی ہے، مثلاً:

﴿سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَہٗ﴾ (الاسراء:۱)

تو دیکھو! اس کے ارد گرد کو بھی برکتوں نے گھیرا ہوا ہے۔ برکتیں یہاں (یعنی بیت اللہ میں) بھی ہیں، مگر بہت Concentrated ہیں، اور برکتیں وہاں (یعنی بیت المقدس میں) بھی ہیں مگر اس کی نسبت ذرا کم ہیں، لیکن ہیں برکتیں۔

قرآن مجید میں اس جگہ میں برکتیں موجود ہونے کا پانچ جگہ پر تذکرہ ہے۔ چنانچہ

ایک جگہ فرمایا:

﴿وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ عَاصِفَةً تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖۤ اِلَى الْاَرْضِ الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا﴾ (الانبیاء:۸۱)

یہ جو برکت برکت برکت پانچ جگہ قرآن میں بیان کی گئی، یہ وہ مرکزِ صفات ہے، جس کے گرد اللہ نے نازل فرمائیں۔

کوہِ طور.... برکت والی وادی:

تیسری چیز ''شیونات'' ہے۔ وہ نازل ہوئیں ''کوہِ طور'' پر۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿فَلَمَّآ اَتٰىهَا نُوْدِيَ مِنْ شَاطِئِ الْوَادِ الْاَيْمَنِ فِي الْبُقْعَةِ الْمُبٰرَكَةِ مِنَ الشَّجَرَةِ﴾ (القصص:۳۰)

وہ وادی برکت والی ہے۔ تو برکتیں وہاں بھی ہیں، مگر ان کو لمٹ کر دیا گیا کہ وادی برکت والی ہے۔ ان برکتوں کی وسعت بہت زیادہ تھی، سینکڑوں میلوں کے حساب سے تھی، اس کی برکت اس سے ذرا کم تھی اور شیونات کی برکت وادی پر تھی، تو وہ وادی برکت والی تھی۔ جس وادی میں وہ شجر تھا جس پر اللہ نے تجلی نازل فرمائی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ تینوں مراکز ہیں اور تینوں مراکز کے ساتھ برکتیں ہیں۔

تینوں مراکز کی خصوصیات:

اچھا ایک مرکز جو ذات والا تھا اس کو اللہ نے اپنے حبیب ﷺ کی ولادت کا مرکز بنایا۔ نبی ﷺ کی ولادت کہاں ہوئی؟ مکہ مکرمہ میں۔ اور ایک مرکز وہ تھا جو مرکزِ تجلیات تھا وہ اللہ نے اپنے خلیل علیہ السلام کے لیے پسند فرمایا۔ چنانچہ ابراہیم علیہ السلام بیت

المقدس میں پیدا ہوئے۔ اور ایک وہ جگہ تھی جس کو اللہ نے اپنے کلیم سے ہم کلامی کے لیے پسند فرمایا، یہ وہ جگہ تھی جو وادیٔ طور بنی۔ اب یہ تین الگ الگ مرکز ہو گئے اور تینوں جگہ پر جو انبیاء تھے ان کی ایک نمایاں شان ہو گئی، جہاں مرکزِ تجلیاتِ ذاتیہ تھا وہاں والے نبی ''محبوب'' کہلائے، جہاں صفات کی تجلیات تھیں وہاں والے ''خلیل'' کہلائے اور جہاں شیونات تھیں وہاں والے ''کلیم'' کہلائے، مگر نمایاں شان تو سب کو نصیب ہوئی۔

چراغِ مصطفوی سے شرارِ بولہبی....

اب ایک اگلی بات یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ان میں سے جو مرکزِ تجلیاتِ ذاتیہ تھا، اس کو عبادت کا مرکز بنایا، جو تجلیاتِ صفات تھا اس کو سیاست کا مرکز بنایا اور جو شیوناتِ ذاتیہ تھا اس کو طاقت کا مرکز بنایا۔ اب دیکھیں جہاں سیاست ہوتی ہے، وہاں حق و باطل کا معرکہ ہوتا ہے۔ اب سیاست کا مرکز اللہ نے بیت المقدس کو بنایا، چنانچہ حق کے علمبردار بن کر آئیں گے عیسیٰ علیہ السلام، اور باطل کا علمبردار دجال بن کے آئے گا اور حق و باطل کا یہ معرکہ قربِ قیامت میں کہاں ہوگا؟ بیت المقدس میں ہوگا۔ اور ''مقام لد'' پر عیسیٰ علیہ السلام دجال کو قتل کریں گے۔ اب یہ حق و باطل کی جنگ تو چلی آدم علیہ السلام سے، کیوں کہ شیطان نے ان کے ساتھ یہ معاملہ شروع کیا۔

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغِ مصطفوی سے شرارِ بولہبی

یہ تو ازل سے سلسلہ چل رہا ہے کہ چراغِ مصطفوی تھا اور اس کے ساتھ شرارِ بولہبی۔ شرارِ بولہبی تھا شیطان اور چراغِ مصطفوی تھے آدم علیہ السلام، یہ سلسلہ شروع سے چلتا آیا

ہے، مگر دنگل ہوتے ہوتے ایک فائنل دنگل ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بڑے بڑے پہلوانوں کو دنگل کہاں کروایا؟ بیت المقدس میں۔ اس لیے اس پورے علاقے کو ''بلادِ شام'' کہتے ہیں۔ آج تو تقسیم در تقسیم کر کے ان ممالک کے نام رکھ لیے گئے نا، مگر شریعت کی نظر میں یہ سب بلادِ شام ہیں۔ اب ''فتوحاتِ شام'' جو کتاب ہے اس کے اندر اس سارے علاقے کو شامل کیا گیا ہے۔

مرکز کا سکون.... پوری دنیا کا سکون:

اسی لیے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنا مرکز شام کو بنایا تھا، انہوں نے مدینہ منورہ کو مرکز نہیں بنایا، اس لیے کہ عبادت کو سکون چاہیے، جہاں سکون نہ ہو اور امن نہ ہو وہاں عبادت نہیں ہو سکتی۔ تو اللہ تعالیٰ نے مرکزِ ذاتیہ جو تھا اس کو مرکز بنا کے خون ریزی سے بالکل ہی پاک کر دیا۔ فرمایا:

﴿وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا﴾ (آل عمران: ۹۷)

''جو حرم میں داخل ہو گیا وہ امن پا گیا۔''

امن کی جگہ بنا دیا۔ اس شہر کو ہی فرمایا:

﴿بَلَدًا اٰمِنًا﴾ (البقرۃ: ۱۲۶)

تو یہاں تو امن چاہیے تھا، امن ہو، سکون ہو تو عبادت ہوتی ہے۔ بھئی دیکھو! اگر مرکز میں ٹربولینس ہوگی تو پوری دنیا میں ٹربولینس ہوگی۔ اگر مرکز میں سکون ہوگا تو پوری دنیا میں سکون ہوگا۔ اس لیے جو بیت اللہ تھا یا مرکزِ تجلیاتِ ذاتیہ تھا اس کو تو اللہ نے پرسکون ہی کر دیا، وہاں تو گڑبڑ ہو ہی نہیں سکتی۔

اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حرم تو پہلے بھی حرم تھا، جو قتال یہاں منع تھا فتح مکہ کے

دن وہ اللہ تعالیٰ نے میرے لیے تھوڑی دیر کے لیے حلال کر دیا اور جب مکہ فتح ہوگیا تو دوبارہ پھر اسی طرح منع کر دیا۔ (سبل الہدیٰ والرشاد: ۱/ ۲۰۴)

اور جس وقت مکہ فتح ہو رہا تھا اس وقت نبی ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ دَخَلَ دَارَ اَبِی سُفْیَانَ فَھُوَ آمِنٌ، وَمَنْ أَغْلَقَ بَابَہٗ فَھُوَ آمِنٌ، وَمَنْ دَخَلَ الْمَسْجِدَ فَھُوَ آمِنٌ)) (الروض الانف: ۴/ ۱۵۵)

''جو ابوسفیان کے گھر چلا گیا امن پا گیا اور جو اپنے گھر میں رہا امن پا گیا اور جو مسجد حرام میں آ گیا امن پا گیا۔''

معلوم ہوا کہ امن تو اس وقت بھی تھا، جو ہٹایا گیا وہ شریروں کے لیے تھا، جو لڑنا چاہتے تھے، ورنہ تو امن اسی طرح تھا کہ جو تلوار نہ اٹھائے اس کے لیے امن ہوگا، اس لیے جو مرکزِ تجلیاتِ ذاتیہ ہے اللہ نے اس کو امن کا مرکز بنایا۔

امن کی خرابی کے امکانات کا سدِ باب
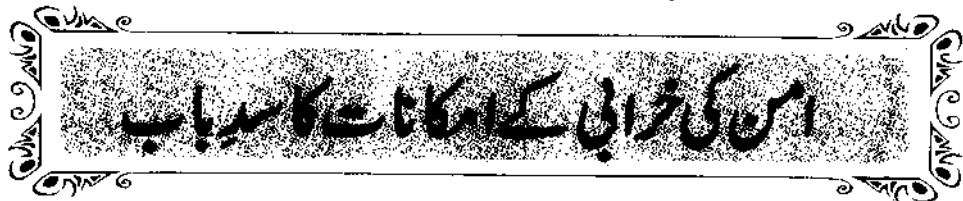
اور آپ حیران ہوں گے کہ اس کا امن جو ہے، وہ من جانب اللہ ہے، یہ اللہ کی طرف سے ہے، یہ بندوں کی طرف سے نہیں ہے۔ اب آپ اس کی تفصیل سن لیں!

پہلی حکمتِ عملی:

امن کو خراب کیا جاتا ہے داخلی طور پر یا خارجی طور پر۔ خارجی طور پر جو امن کی خرابی کے امکانات تھے، وہ اللہ نے ختم کر دیے، کیسے؟ سب سے پہلی بات کہ امن کو خراب کرتے ہیں جو دین کے مخالف ہوں، ان کے بارے میں فرمایا:

﴿اِنَّمَا الْمُشْرِکُوْنَ نَجَسٌ فَلَا یَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِھِمْ

ھٰذَا﴾ (التوبۃ:۲۸)

"یہ مشرک نجس ہیں، اس سال کے بعد یہ حدودِ حرم میں داخل نہیں ہو سکتے۔"

تو کافر مشرک حدودِ حرم میں داخل نہیں ہو سکتے، اب جب یہ حدودِ حرم میں داخل ہی نہیں ہو سکتے تو امن کیسے خراب کریں گے....؟

دوسری حکمتِ عملی:

پھر امن خراب ہو سکتا تھا کہ باہر سے لوگ آ رہے ہیں اور ہیں مسلمان، مگر وہ آ کر امن خراب کرتے ہیں، تو اللہ نے پابندی لگا دی کہ تم میرے حرم میں داخل ہی نہیں ہو سکتے بغیر احرام باندھے۔ احرام باندھو گے تو

﴿فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ﴾ (البقرۃ:۱۹۷)

یہ تین چیزیں ہیں جو امن خراب کرتی ہیں، ان پر پابندی لگا دی۔ فرمایا کہ جو محرم ہے وہ شکار ہی نہیں کر سکتا، جانور کو شکار نہیں کر سکتا، درخت کی ٹہنی نہیں توڑ سکتا۔ محرم پر پابندیاں لگا دیں، سوائے ایک گھاس (اذخر) کے، اس کے سوا کسی چیز کو کاٹ ہی نہیں سکتا۔ واہ میرے مولیٰ! امن بندوں کو کیا ملنا تھا، امن درختوں کو بھی دے دیا!!

فرمایا کہ باہر سے آنے والو! ذرا سیدھے ہو کے آنا، خبردار! یہ مرکزِ امن ہے۔ تم یہاں آ کے امن کو خراب نہیں کر سکتے۔ عمرے پر یا حج پر آئے ہو تو رفث سے، فسوق سے اور جدال سے تمہیں بچنا پڑے گا، ورنہ تمہاری عبادت ضائع کر دی جائے گی۔ تو اب وہ باہر سے آنے والے امن سے رہتے ہیں۔ اس کا مطلب ہے کہ اللہ نے اپنے مرکزِ تجلیاتِ ذاتیہ کے امن کو قائم کرنے کے لیے جو ظاہری اسباب تھے وہ بھی اختیار فرما دیے۔

تیسری حکمتِ عملی:

اچھا یہ بھی ممکن تھا کہ باہر کے لوگ یہاں اپنے مفاد کی خاطر حملہ آور ہوتے، کہ یہاں پر تو بہت پیسہ ہے اور خوبصورت مناظر ہیں، دریا ہیں اور آبشاریں ہیں، اللہ نے اس علاقے کو (بِوَادٍ غَیْرِ ذِی زَرْعٍ) بنایا۔ پانی تھا نہیں، سبزہ دیکھنے کو ملتا نہیں تھا، کھانے کو کچھ نہیں ملتا تھا، چنانچہ اس علاقے میں دھوپ اتنی زیادہ تھی اور سایہ نہ تھا، پینے کو پانی نہ تھا۔ قیصر و کسریٰ کی Established حکومتیں تھیں، مگر کسی کی ادھر توجہ نہ تھی، تکوینی طور پر حفاظت تھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے۔ وہ کہتے تھے کہ وہاں ہے کیا جو ہم وہاں جائیں؟ تو باہر کی طاقتوں کی اتنی دلچسپی نہیں تھی، لہذا وہ آئے نہیں، اور جو مقامی لوگ تھے وہ ایسے اکھڑ تھے کہ وہ کسی کی وہاں چلنے ہی نہیں دیتے تھے، لہذا وہاں امن رہا۔

امن خراب کرنے کی ایک ناکام کوشش:

ہاں! ایک موقع آیا۔ ایک بندہ چلا ہاتھیوں کا لشکر لے کر کہ جی میں امن خراب کرتا ہوں۔ میں اس کی مرکزیت کو ختم کردوں گا اور یمن کو مرکز بناؤں گا۔ اب اس نے عبدالمطلب کے سو اونٹوں پر قبضہ کرلیا، عبدالمطلب آئے اور کہا کہ ملاقات کرنی ہے، ابرہہ نے بلایا کہ جی آئیں بات کریں، وہ سمجھا تھا کہ مذاکرات کرنے آئیں ہیں اور مجھ سے کہیں گے کہ ایسا معاملہ نہ کرو، یہ مرکز ہے، واپس چلے جاؤ۔ عبدالمطلب آئے اور انہوں نے فرمایا کہ بھئی! میرے سو اونٹ تمہارے فوجیوں نے قبضے میں لیے ہیں وہ مجھے واپس کردو۔ اس نے کہا کہ آپ عجیب ہیں کہ بیت اللہ کے کنجی بردار ہیں اور وہاں کے متولی ہیں اور کہتے ہیں کہ میرے سو اونٹ دے دو، تم نے بیت اللہ کی بات

کیوں نہ کی؟ عبدالمطلب نے کہا کہ بات یہ ہے کہ جس ذات کا وہ گھر ہے اس کی حفاظت بھی وہ ہی ذات کرے گی، میرے ذمہ اس کی حفاظت نہیں ہے۔ مجھے تو میرے جانور دے دیں اور جس کا یہ گھر ہے وہ جانے اور اس کا کام جانے، اور واقعی وہی ہوا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ وہ ہاتھی لے کر آئے تھے تو ہم نے ان ہاتھیوں کو کھائے ہوئے بھوسے کے مانند کردیا۔

﴿فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّأْكُولٍ﴾ (الفیل:۵)

ابرہہ کے لشکر کا قلع قمع پرندوں سے کیوں کروایا؟

اللہ نے پرندوں کو بھیجا اور انہوں نے کنکریاں برسائیں اور ان کو لگیں، تو اللہ تعالیٰ زمین میں بھی تو دھنسا سکتا تھا، زمین پھٹ جاتی اور یہ سارا قافلہ اندر چلا جاتا، یا پھر اللہ تعالیٰ دو پہاڑیوں کو آپس میں ملا دیتا اور یہ غرق ہو جاتے۔ تو پرندوں کو کیوں بھیجا؟

پہلا جواب:

علماء فرماتے ہیں: اصل میں جو سب سے زیادہ طاقتور جانور ہوتا ہے وہ ہاتھی ہوتا ہے اور وہ واقعی طاقتور ہوتا ہے۔ ہم نے ایک Documentry دیکھی، پانچ شیر تھے، انہوں نے ایک ہاتھی پر حملہ کیا۔ پوری رات وہ اس کو کاٹتے رہے اور اس کو گرانے کی کوشش کرتے رہے، لیکن پوری رات میں وہ ہاتھی کو نیچے نہیں گرا سکے۔ کیا طاقت ہے اس میں! یعنی وہ اس کے گوشت کو کاٹ رہے ہیں، اور شیر کے کاٹنے کی صلاحیت کو ذرا دیکھیں کہ وہ بیل جس کی جلد اور کھال کاٹتے ہوئے چھریاں کند ہو جاتی ہیں، وہ پھر بھی نہیں کاٹ سکتیں اور جو شیر ہوتا ہے وہ پوری کھال کو کاٹ کے یوں نگل لیتا ہے اور ہاتھی

کی طاقت کو دیکھو کہ پوری رات پانچ شیر اس کو کاٹتے رہے، کھینچتے رہے اور اس کو گرانے کی کوشش کرتے رہے، لیکن وہ نیچے نہیں گرا۔ تو جانوروں میں ہاتھی سب سے زیادہ طاقتور ہے اور اس کو ابرہہ لے کر آیا تھا، اور جانوروں میں سب سے کمزور پرندہ سمجھا جاتا ہے، ننھی سی جان، تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اچھا میرے بندے! تم سب سے زیادہ طاقت والا جانور ہاتھی لے کر آئے ہو، میں سب سے کمزور جاندار کو لے کر آتا ہوں اور میں اس کمزور جاندار سے تمہارے سب سے زیادہ طاقتور جاندار کو ختم کروا دوں گا۔ اس لیے اللہ نے پرندوں کو بھیجا۔

دوسرا جواب:

مگر اس کا ایک تحقیقی جواب بھی ہے اور وہ اس سے بھی بہتر ہے اور اس سے بھی اعلیٰ ہے۔ وہ جواب یہ ہے کہ اللہ رب العزت کے ہاں "**جزاء من جنس العمل**" والا دستور چلتا ہے، یعنی جیسا عمل ویسی اس کی جزا۔

ایک مثال سے وضاحت:

یہ بہت تفصیلی بات ہے کہ جزا جنسِ عمل کے مطابق ہوتی ہے، مگر ایک مثال سے بات سمجھ میں آجائے گی۔ اللہ تعالیٰ نے ایک جگہ جنت کا تذکرہ کیا۔ حدیث پاک میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: میں نے اپنے نیک بندوں کے لیے ایسی نعمتیں تیار کر رکھی ہیں کہ

((مَا لَا عَینٌ رَأَتْ))

"کسی آنکھ نے ان کو دیکھا نہیں۔"

((وَ لَا أُذُنٌ سمعت))

''کسی کان نے ان کے بارے میں سنا نہیں۔''

((وَلَا خَطَرَ عَلٰی قَلْبِ بَشَرٍ))

''کسی دل میں ان کا گمان نہیں گزرا۔''

(صحیح بخاری، حدیث:۳۲۴۴ باب ماجاء فی صفۃ الجنۃ الخ)

ساتھ ایک بات اور فرمائی:

﴿فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ﴾ (الم السجدۃ:۱۷)

''کوئی جی نہیں جانتا کہ ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک کے لیے اللہ نے کیا تیار کر رکھا ہے۔''

یہاں ایک طالب علم کے ذہن میں خیال آتا ہے کہ یہ نہیں کہا کہ ان کے دل کی خوشی کے لیے، ان کے دل کے سکون کے لیے، ان کے لطف ولذت کے لیے، بلکہ یہ فرمایا کہ ان کی آنکھوں کی ٹھندک ہے۔ آنکھوں کی ٹھنڈک کا کیا مطلب؟ تو مفسرین نے اس کا جواب دیا کہ یہ تہجد گزاروں کا تذکرہ ہے۔ فرمایا:

﴿تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ﴾ (الم السجدۃ:۱۶)

''ان کے پہلو بستر سے الگ رہتے ہیں۔''

تو جن کے پہلو بستر سے الگ رہتے ہیں ان کی آنکھیں رات کو جاگنے کی وجہ سے نیند کو ترستی ہیں۔ چونکہ رات کی شب بیداری کی وجہ سے ان کی آنکھیں نیند کو ترستی ہیں تو رب کریم نے ان کے لیے اس نعمت کا تذکرہ فرمایا جو ان کی آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچائے۔ تو دیکھو! عمل جیسا تھا جزا بھی ویسی ملی۔ اس کی سینکڑوں مثالیں دی جا سکتی ہیں۔

یہاں بھی معاملہ ایسا ہی ہے۔ وہ کیسے؟ وہ یہ کہ ابرہہ آیا تھا اللہ کے گھر کو مٹانے کے لیے اور انسانوں کے لیے ایک نیا مرکز یمن میں بنانے کے لیے کہ اللہ نے جس کو عزت بخشی اس کو ذلیل کر دے اور جس کو ذلیل بنایا ہے اس کو باعزت بنا دے۔ تو یہ اللہ کی

ترتیب کو بدلنے کے لیے آیا تھا تو اللہ کا دستور ہے: "جزاء من جنس العمل"۔ اب اللہ نے بھی ترتیب کو بدلا، کیا مطلب؟ کہ انسان! آج تک دستور رہا ہے کہ تم صیاد بنتے ہو اور پرندے صید بنتے ہیں، تم ترتیب بدلنے آئے ہو تو آج میں بھی اپنی ترتیب بدلتا ہوں کہ آج تم صید بنو گے اور پرندے تمہارے صیاد بنیں گے، اس لیے اللہ نے اس کو ختم کروا دیا اور وہ امن کو خراب نہ کر سکا۔

بیت اللہ کا امن تا قیامت رہے گا:

تو یہ مرکزِ عبادت ہے اور اس کا امن ایک تکوینی چیز ہے اور اس کو کوئی خراب کر نہیں سکتا۔ ہاں! قربِ قیامت میں دجال آئے گا، پوری دنیا کے امن کو خراب کر لے گا، لیکن فرشتوں کی حفاظت ہو گی، اس لیے نہ مدینہ طیبہ میں داخل ہو سکے گا اور نہ ہی مکہ مکرمہ میں۔ ہاں! ایک زلزلہ آئے گا اور جن کے دلوں میں کجی ہو گی وہ شہر سے باہر نکلیں گے اور وہ دجال کے پنجرے میں پھنس جائیں گے اور اللہ تعالیٰ باقی لوگوں کی حفاظت فرمائیں گے۔ تو یہ امن قیامت تک رہے گا۔

اور جب یہ امن خراب ہو گا یعنی بیت اللہ کو گرایا جائے گا تو پھر یہ قیامت آنے کی نشانی ہو گی۔ تو یہ بات سمجھ میں آ گئی کہ بیت اللہ مرکزِ تجلیاتِ ذاتیہ ہے۔

حضور ﷺ کے لیے بیت المقدس کو قبلہ بنانے میں حکمت:

اور بیت المقدس مرکزِ تجلیاتِ صفات ہے۔ وہاں اللہ نے اپنے خلیل علیہ السلام کو بھیجا اور وہاں پر اللہ رب العزت نے اپنے حبیب ﷺ کو کچھ عرصہ نماز پڑھنے کا حکم فرمایا، کہ ذات کی طرف عبادت کرنی ہے تو صفات کی طرف بھی کرنی ہے۔ ہمارا اعتقاد

ہے نا: ''لَا ھُوَ وَلَا غَیر''

صفات کو تو ذات سے جدا نہیں کر سکتے۔ اس لیے اللہ نے اپنے حبیب ﷺ کو فرمایا کہ اچھا! آپ سے پہلے اسی ڈائریکشن میں نماز ہوتی تھی، آپ سے پہلے پڑھتے رہے، لیکن آپ کی تمنا ادھر (بیت اللہ) کی تھی، ہم آپ کی تمنا کے مطابق قبلہ کو تبدیل کر دیتے ہیں۔ نبی ﷺ کو دونوں سعادتیں نصیب ہو گئیں۔

اچھا اب یہ (بیت اللہ) مرکزِ تجلیاتِ ذاتیہ اور وہ (بیت المقدس) مرکزِ تجلیاتِ صفاتیہ ہے اور وہاں پر پھر اللہ نے حق و باطل کا میدان جنگ بنایا، وہاں پر دجال کو عیسیٰ علیہ السلام نے قتل کرنا ہے۔

محبت، ملاقات گاہ کو یاد رکھتی ہے:

اب طاقت کا مرکز جو اللہ نے بنایا وہ ''کوہِ طور'' کو بنایا۔ یہ شیونات بھی اللہ کی شانیں ہیں، وہ بھی حرمت والی چیز ہے، عزت والی چیز ہے، اور ویسے بھی محبت کی جو ملاقات گاہ ہوتی ہے وہ بھولتی نہیں ہے۔ اسی لیے عورت جس گھر میں رخصت ہو کر آئے ساری عمر اس کو وہ گھر نہیں بھولتا۔

ہماری والدہ صاحبہ جس گھر میں تھیں، وہ گھر کچا سا تھا، پھر پکی اینٹوں سے بن گیا۔ اس عاجز کو اللہ تعالیٰ نے ان کی زندگی میں ہی توفیق دی تھی کہ گھر نیا بنالیا، اچھا تھا، آرام دہ تھا، اللہ اکبر کبیرا۔۔۔! والد صاحب کی جب وفات ہو گئی تو اس کے بعد بھائی تھے، میں ملنے جاتا تھا اور بچے ملنے جاتے تھے، میری بڑی تمنا تھی کہ میں والدہ کو اپنے گھر لے جاؤں، لیکن وہ تیار نہیں ہوتی تھیں، بس آتی تھیں، آدھا دن رہیں یا دن کا کچھ حصہ رہیں، پھر شام کو چلی جاتی تھیں اور میں ان کے پاؤں پکڑتا تھا اور روتا تھا اور کہتا تھا

کہ اماں! مجھے سعادت دیں، آپ یہاں پر رہیں۔ کہتی تھیں: بیٹا! میں آپ کے لیے بہت دعائیں کرتی ہوں، بہت خوش ہوں اور محبت بھی بہت کرتی ہوں، لیکن میں رہوں گی نہیں۔ تو پھر ایک دفعہ میں نے پوچھا کہ اماں! آخر وجہ کیا ہے؟ بس عجیب جواب دیا والدہ نے، کہنے لگیں: ''بیٹا! تمہارے والد مجھے جس گھر میں لے کر آئے تھے میرا جی چاہتا ہے کہ میرا جنازہ بھی اسی گھر سے نکلے۔'' کیا وفاداری ہے!! جو پاکدامن عورتیں ہوتی ہیں، وہ ایسے ہی ہوتی ہیں اور واقعی اسی گھر سے ان کا جنازہ اٹھایا گیا۔

تو محبت اس ملاقات گاہ کو یاد رکھتی ہے۔ اللہ کے ایک عاشق نے کوہِ طور پر اللہ سے ملاقات کی تھی اور ہم کلامی فرمائی تھی اور اللہ نے اس پر اپنی شیونات کو نازل فرمایا تھا۔ اور اللہ نے اس جگہ کی قسم کھائی:

﴿وَالطُّوْرِ﴾ (الطور:۱)

ایک جگہ فرمایا:

﴿وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ ○ وَطُوْرِ سِيْنِيْنَ ○ وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ﴾
(التین:۱۔۲۔۳)

تینوں مراکز کا ذکر قرآن میں:

اب یہ جو (وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ) ہے، یہ پورا بلادِ شام ہے، یہ طاقت کا مرکز ہے۔ یعنی یہ صفات والی جگہ ہوگئی، جو کہ بیت المقدس ہے اور (طُوْرِ سِيْنِيْنَ) یہ شیونات والی جگہ اور (وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ) یہ مکہ مکرمہ۔ یہ تین مراکز قرآن مجید کی اس آیت سے ثابت ہوتے ہیں اور ان تینوں کی اللہ نے قسمیں کھائی ہیں۔

کوفہ۔۔۔امارتِ اسلامیہ کا مرکز:

اسی لیے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے جب اپنی چھاؤنی بنانی تھی تو انہوں نے مدینہ طیبہ میں چھاؤنی نہیں بنائی، بلکہ انہوں نے کوفہ کو پسند کیا اور کوفہ عراق میں ہے اور انہوں نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو معلم اور عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو امیر بنا کے بھیجا، چنانچہ عمر رضی اللہ عنہ کے کہنے پر شہر بسایا گیا، درمیان میں مسجد بنائی گئی، پھر جو وہاں سادات تھے، ان کے گھر بنائے گئے، پھر علما کے گھر بنائے گئے، پھر عوام الناس کے گھر بنائے گئے، اخیر میں فوجیوں کے گھر بنا کے ایک چھاؤنی بنادی گئی۔ تو کوفہ اصل میں ایک چھاؤنی تھی جو عمر رضی اللہ عنہ نے آباد فرمایا، وہ مزاجِ نبوی کو اور تعلیماتِ نبوی کو سمجھنے والے تھے۔

چنانچہ علی رضی اللہ عنہ جب خلیفہ بنے ہیں تو وہ مدینہ طیبہ میں رہنے کے بجائے ساری زندگی کہاں رہے ہیں؟ کوفہ میں رہے ہیں۔

تو تین مراکز ہیں: ایک تجلیاتِ ذاتیہ کا مرکز، ایک تجلیاتِ صفات کا مرکز اور ایک تجلیاتِ شیونات ذاتیہ کا مرکز ہے۔

شانِ جامع (مدینہ طیبہ):

ایک مرکز ہے جس کو کہتے ہیں: مدینہ طیبہ۔ وہ ''شانِ جامع'' ہے۔ اور شانِ جامع کہتے ہیں ذات، صفات اور شیونات تینوں کے مجموعے کو۔ اس کی مثال ایسے ہے کہ ایک ہے نیلا رنگ، ایک ہے پیلا رنگ اور ایک ہے سرخ رنگ، یہ سب الگ الگ رنگ ہیں، ان سب کو ملاؤ تو سفید روشنی بنتی ہے۔ یہ شانِ جامع ہے۔ اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر جو تجلیات وارد ہو رہی ہیں وہ کون سی ہیں؟ شانِ جامع ہیں۔

ہمارے سلسلے کا سبق:

ہمارے سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے اسباق میں مشارات و مراقبات میں جو پانچواں سبق ہے، اس کی نیت کیا ہے؟ کہ الٰہی! شانِ جامع کا وہ فیض جو آپ نے نبی ﷺ کے لطیفۂ اخفیٰ پر نازل فرمایا تھا، ان کے واسطے سے میرے لطیفۂ اخفیٰ پر بھی نازل فرما۔

حرمین شریفین میں موت کی فضیلت:

یہ بیت اللہ شریف مرکزِ عالم ہے اور اس کا امن قیامت تک رہے گا، جس کو اس شہر میں موت آئی وہ قیامت کے دن بھی امن میں رہے گا، چنانچہ ایک حدیث پاک میں نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''جس شخص کو حرمین شریفین میں موت آئی اس کے لیے میری شفاعت واجب ہوگئی اور وہ بندہ قیامت کے دن امن پانے والوں میں شامل ہوگا۔''

(جامع الاحادیث للسیوطی، حدیث: ۲۳۸۹۳)

اللہ رب العزت نے ہمیں اس گھر کی حاضری کے لیے قبول فرمایا، اس کی عظمت کو سمجھیے! اور اس کے ساتھ اپنا قلبی تعلق Develop کرنے کی کوشش کیجیے! یہ بس ایسی عبادت نہیں ہے کہ پھیرا لگا لیا، آئے اور چلے گئے۔

حاجی امداد اللہ مکی رحمۃ اللہ علیہ کا سنہری ملفوظ:

حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے کہا: حضرت! دعا کریں کہ میں مکہ میں رہوں۔ فرمایا: ''بھئی! تم مکہ میں رہو اور دل تمہارا یہاں (ہندوستان) رہے، اس سے بہتر ہے کہ تم یہاں رہو اور دل تمہارا مکہ میں رہے۔''

مہک رہی ہے فضائے حرم مدینے میں:

حج پر آئے ہیں اور حج کا یہ اثر لے کر جائیں کہ ہم جا بھی رہے ہیں، لیکن دل ہمارا یہاں ہے۔

بنا لیا ہے بہاروں نے گھر مدینے میں
مہک رہی ہے فضائے حرم مدینے میں
حضور! آپ کے قدموں پہ مٹنے والوں کا
ہجوم رہتا ہے شام و سحر مدینے میں
میں کیوں نہ منزلِ عقبیٰ کی جستجو کرلوں
مجھے نصیب ہوا ہے سفر مدینے میں
بنا لیا ہے بہاروں نے گھر مدینے میں
مہک رہی ہے فضائے حرم مدینے میں
یہ آرزو ہے میری اے حبیبِ ربِ جہاں!
کہ میں جہاں بھی رہوں دل رہے مدینے میں
بنا لیا ہے بہاروں نے گھر مدینے میں
مہک رہی ہے فضائے حرم مدینے میں

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ
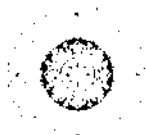
عشق کو حسن کے انداز سکھا لوں تو چلوں
منظر کعبہ نگاہوں میں بسا لوں تو چلوں
اپنے محبوب حقیقی کو منا لوں تو چلوں
اپنی بگڑی ہوئی ہر بات بنا لوں تو چلوں
کرلوں اک بار ذرا پھر سے طواف کعبہ
روح کو رقص کے انداز سکھا لوں تو چلوں
در کعبہ سے پھر اک بار لپٹ کر رو لوں
اور کچھ اشکِ ندامت بہا لوں تو چلوں
کھینچتا ہے ابھی قدموں کو مطاف کعبہ
پیاس تلووں کی ابھی اور بجھا لوں تو چلوں

ہدایات

برائے حجاج کرام

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

﴿وَاِذِ ابْتَلٰٓی اِبْرٰھِیْمَ رَبُّہٗ بِکَلِمٰتٍ فَاَتَمَّھُنَّ قَالَ اِنِّیْ جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَامًا﴾ (البقرۃ:۱۲۴)

سُبْحٰنَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْنَ ○ وَسَلٰمٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ ○ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ○

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ

بنا لیا ہے بہاروں نے گھر مدینے میں
مہک رہی ہے فضائے حرم مدینے میں
حضور! آپ کے قدموں پہ مٹنے والوں کا
ہجوم رہتا ہے شام و سحر مدینے میں
میں کیوں نہ منزل عقبیٰ کی جستجو کر لوں
مجھے نصیب ہوا ہے سفر مدینے میں
یہ آرزو ہے میری اے حبیب رب جہاں!
کہ میں جہاں بھی رہوں دل رہے مدینے میں

حج کا سفر کیسے کریں؟

اس سفر کے اندر درود شریف اور تلاوتِ قرآن مجید کی کثرت کرنا بہت فائدہ مند ہے۔امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ گیا،اس دوران مجھے سولہ دن لگے اور میں نے راستے میں سولہ مرتبہ قرآن مجید پڑھ لیا۔تو جتنا قرآن مجید پڑھیں یا جتنا درود شریف پڑھیں، وہ سب کا سب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جا کر ہدیہ اور تحفہ بھیج دیں۔

مجھ کو درپیش ہے پھر مبارک سفر
قافلہ پھر مدینے کا تیار ہے
نیکیوں کا نہیں کوئی تحفہ فقط
میری جھولی میں اشکوں کا اک ہار ہے
کوئی سجدوں کی سوغات ہے نہ کوئی
زہد و تقویٰ میرے پاس سرکار ہے
چل پڑا ہوں مدینے کی جانب مگر
ہائے سر پر گناہوں کا انبار ہے
جرمِ عصیاں پہ اپنے لجاتا ہوا
اور اشک ندامت بہاتا ہوا
تیری رحمت پہ نظریں جماتا ہوا
در پہ حاضر یہ بندہ گناہ گار ہے

تیرا ثانی کہاں شاہ کون و مکاں
مجھ سا عاصی بھی امت میں ہوگا کہاں
تیرے عفو و کرم کا شاہِ دو جہاں
کیا کوئی مجھ سے بڑھ کر بھی حق دار ہے

اس پورے سفر کے اندر نبی ﷺ کی محبت میں اشعار پڑھے، درود شریف پڑھے۔ اس سفر کو ذوق وشوق کا سفر بنائے، حتیٰ کہ جب ذوالحلیفہ پہنچے تو ہو سکے تو سواری سے اتر کر روتا ہوا پیدل سفر کرے، مگر آج کے حالات میں ترتیب ایسی ہے کہ بسوں پر سفر کرنا ہوتا ہے، اس لیے بس پر بیٹھے ہوئے ہی محبت کا اظہار کرتا رہے۔

مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے دل میں سرزمین مدینہ منورہ کا ادب:

حضرت مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ جب ذوالحلیفہ پہنچے تھے تو جوتے اتار دیے تھے، کسی نے پوچھا تھا کہ حضرت! سنگلاخ زمین ہے، نیچے پتھر ہیں تو پاؤں زخمی ہو جائیں گے۔ تو حضرت نے فرمایا تھا کہ میرا جی نہیں چاہتا کہ جس جگہ پر میرے آقا کے مبارک قدم لگے ہوں میں وہاں جوتے سمیت جاؤں۔ اتنا ادب کا خیال رکھا!

حرم میں داخل ہوئے تو دعا مانگی: اے اللہ! یہ حرمت والی جگہ ہے اس کی برکت سے مجھے آج کے بعد حرام کاموں سے محروم فرما لے۔ مدینہ طیبہ کی نسبت سے دعا مانگی کہ اے اللہ! مدینہ طیبہ سامنے ہے اس کی برکت سے مجھے حیاتِ طیبہ عطا فرما دے۔

کتابوں میں یہ دعا لکھی ہے:

((اَللّٰھُمَّ ھٰذَا حَرَمُ نَبِیِّکَ فَاجْعَلْہُ وِقَایَۃً لِّی مِنَ النَّارِ وَاَمَانًا مِّنَ الْعَذَابِ وَسُوْءِ الْحِسَابِ))

مقام پر پہنچ کر کیا کریں؟

اور جب اپنے ہوٹل پہنچیں تو اگر وقت ہو تو بہتر یہ ہے کہ غسل کریں، صاف کپڑے پہنیں، خوشبو لگائیں اور ''صلاۃ التوبۃ'' پڑھیں اور مسجد نبوی میں حاضری سے پہلے اللہ کی راستے میں کچھ نہ کچھ صدقہ دیں۔

مولانا زکریا رحمۃ اللہ علیہ کی مواجہہ شریف پر حاضری:

حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ نے جب بھی مواجہہ شریف پہ حاضری دینی ہوتی تھی تو پہلے صدقہ دیا کرتے تھے اور جب بیرون ملک سے آتے تھے تو پھر تو زیادہ رقم صدقہ کیا کرتے تھے۔

مواجہہ شریف پر حاضری سے پہلے صدقہ دینے کا مقصد:

اب ہر بندہ اگر زیادہ نہیں دے سکتا تو پانچ دس ریال تو خرچ کر ہی سکتا ہے۔ اگر ایک ریال بھی دے دے گا تو صدقہ کی سنت پر تو عمل ہو جائے گا۔ قرآن مجید کی آیت ہے جس میں اللہ نے فرمایا کہ اگر تم میرے حبیب (صلی اللہ علیہ وسلم) سے بات کرنا چاہو تو پہلے صدقہ کرو، لیکن پھر اللہ نے امت پر آسانی کے لیے اس کو منسوخ فرما دیا، مگر اپنی منشا تو بتادی کہ ہم چاہتے کیا ہیں۔

چونکہ صدقہ بلا کو ٹالتا ہے اور جو بندہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری دے اور وہ قبول نہ ہو تو اس سے بڑی بلا کوئی نہیں ہو سکتی، اس لیے بندہ صدقہ کے ذریعے دعا کرتا ہے کہ اے اللہ! مجھے وہاں سے رد ہونے والی بلا سے محفوظ فرما لینا۔

مواجہہ شریف کی حدود:

حضرت مولانا محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ میرے نزدیک پوری کی پوری مسجد نبوی مواجہہ شریف کے مانند ہے، اس لیے کوئی بھی بندہ کہیں سے بھی بیٹھ کر یا کھڑا ہوکر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود شریف پڑھ لے تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس درود شریف کو سن لیتے ہیں۔

حدیث مبارکہ میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

جو لوگ میرے پاس آکر درود شریف پڑھتے ہیں ان کا درود شریف میں خود سنتا ہوں اور جو لوگ دور سے درود شریف پڑھتے ہیں تو فرشتے متعین ہیں وہ درود شریف مجھ تک پہنچا دیتے ہیں۔ (جامع الاحادیث للسیوطی: ۱۰/ ۲۱)

امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی مواجہہ شریف پر حاضری:

امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اکثر اوقات دور بیٹھ کر درود شریف پڑھا کرتے تھے اور کبھی کبھی مواجہہ شریف آکر حاضری دیا کرتے تھے۔

ادب گاہیست زیر آسماں از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید ایں جا

وہ بہت ادب کی جگہ ہے۔

آہستہ قدم نیچی نگاہ پست صدا ہو
خوابیدہ یہاں رسول عربی ہے
اے زائرِ بیتِ نبی! یاد رہے یہ
کہ قاعدہ یہاں جنبشِ لفظ بے ادبی ہے

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے استاد کا فرمان:

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے استاد فرماتے ہیں کہ جو مواجہہ شریف پہ حاضری دینا چاہے اس کو چاہیے کہ وہ ستر مرتبہ یہ آیت پڑھے:

﴿اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ؕ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا﴾ (الاحزاب:۵۶)

پھر اس کے بعد ستر مرتبہ درود شریف پڑھے، جب ستر مرتبہ درود شریف پڑھ لیتا ہے تو ایک فرشتہ کہتا ہے:

((صَلَّى اللّٰهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ وَعَلَيکَ يَا فُلَان))

یعنی ایک فرشتہ یہ درود شریف نبی ﷺ تک بھی پہنچا دیتا ہے اور اس کے لیے بھی رحمت کی دعا کرتا ہے۔ وہ فرماتے ہیں: جو ستر مرتبہ درود شریف پڑھ کر حاضری دے گا تو اللہ اس کی حاجت کو پورا فرما دیں گے۔

مواجہہ شریف پر حاضری دینے والے کے لیے ہدایات:

ادب کا خیال رکھے، جب مواجہہ شریف پر جائے تو بہت قریب بھی نہ ہو، نہ جھکے، نہ جالی مبارک کو ہاتھ لگائے، نہ بوسہ دے اور نہ سجدہ کرے، یہ سب چیزیں ادب کے خلاف ہیں، نہ حجرہ مبارک کا طواف کرے، نہ اس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھے، نہ اس کی طرف پشت کرے، اور نہ نماز پڑھنے کی ہیئت بنائے، سامنے جا کر ادب سے کھڑے ہو کر یہ خیال کرے کہ نبی ﷺ لحد مبارک میں قبلہ رخ آرام فرما ہیں اور جانتے ہیں کہ کون میرے پاس آ کر مجھ پر درود شریف پڑھ رہا ہے، سلام بھیج رہا

ہے اور درمیانی آواز سے کہے:

((اَلسَّلَامُ عَلَیکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ وَرَحمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ))

ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اسی پر اکتفا کیا، مگر بعض اکابر نے کثرت درود شریف کی فضیلت جو احادیث میں بیان کی گئی ہے اُس سے اس کا ثبوت لیا ہے کہ وہاں جا کر جتنا زیادہ وقت مل سکے اتنا زیادہ درود شریف پڑھے۔ بعض بزرگوں نے فرمایا کہ جب وہاں حاضری دے تو قرآن مجید کی آیت ہے:

﴿وَلَوْ اَنَّھُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَھُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَھُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا﴾ (النساء:٦٤)

اس آیت کو ذہن میں مستحضر کرے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کرے: اے اللہ کے حبیب (صلی اللہ علیہ وسلم)! یہ قرآن مجید کی آیت ہے، اس میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''اگر ان لوگوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا تو یہ آپ کے پاس آتے اور آپ بھی استغفار کرتے اور یہ خود بھی استغفار کرتے تو یہ اللہ تعالیٰ کو توّاب اور رحیم پاتے۔'' تو میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوں اور میں اپنے گناہوں سے توبہ کر رہا ہوں، اب آپ بھی میری شفاعت فرما دیجیے کہ اللہ میری توبہ کو قبول فرما لے۔

امام الصرف والنحو مولانا اشرف شاد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان:

ہمارے استاد امام الصرف والنحو حضرت مولانا محمد اشرف شاد صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے:

کہ چونکہ حدیث پاک میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو قریب آکر درود شریف پڑھتا ہے اس کو میں سنتا ہوں۔ تو جب درود شریف سنتے ہیں تو بندے کو چاہیے

کہ جب وہاں پہنچے تو اپنی دعائیں پڑھنے کے ساتھ ساتھ کلمہ شہادت بھی پڑھے اور پڑھنے کے بعد یہ کہے کہ اے اللہ کے حبیب (ﷺ)! میں نے آپ کے سامنے کلمہ شہادت پڑھا ہے، اب آپ قیامت کے دن میرے ایمان کی گواہی عطا فرما دیجیے گا۔ اور جس کے ایمان کی گواہی اللہ کے حبیب ﷺ نے دے دی اس کا بیڑہ پار ہو گیا۔

آقا! تیری معراج کہ تو لوح و قلم تک پہنچا
میری معراج کہ میں تیرے قدم تک پہنچا

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کا کشف:

تو وہاں حاضری کا وقت عجیب برکتوں والا وقت ہوتا ہے۔ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ جو لوگ حدیث مبارکہ کا علم سیکھتے اور سکھاتے ہیں، وہ جب مواجہہ شریف پر حاضر ہوتے ہیں تو نبی ﷺ کے سینۂ انور سے سورج کی کرنوں کے مانند نور کی شعاعیں پھوٹ رہی ہوتی ہیں اور ان لوگوں کے دلوں پر پڑ رہی ہوتی ہیں۔

مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی مواجہہ شریف پر حاضری:

حضرت مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ مواجہہ شریف پر حاضر ہوئے، باہر نکلے تو عجیب کیفیت تھی، کسی نے کہا کہ حضرت! آج تو عجیب حال ہے، فرمایا:

میرے آقا کا مجھ پر تو اتنا کرم تھا
بھر دیا میرا دامن پھیلانے سے پہلے
یہ اتنے کرم کا عجب سلسلہ ہے
نشہ رنگ لایا پلانے سے پہلے

جب مدینہ طیبہ سے جانے لگے، نظر گنبد خضریٰ پہ پڑی تو نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے شعر کہا:

سلامت رہے تیرے روضے کا منظر
چمکتی رہے تیرے روضے کی جالی
ہمیں بھی عطا ہو وہ شوقِ ابوذر
ہمیں بھی عطا ہو وہ روحِ بلالی

کب تک مواجہہ شریف پر کھڑا رہے؟

پھر اس کے بعد امت کے لیے دعا مانگے، جن لوگوں نے سلام پہنچانے کے لیے کہا ہو ان کی طرف سے سلام پہنچائے، اس کے بعد صدیق اکبر اور عمر فاروق رضی اللہ عنہما پر بھی سلام پڑھے، مگر جتنی دیر دل کی توجہ یکسو رہے اتنی دیر وہاں کھڑا رہے۔ ہمارے مشائخ نے فرمایا ہے: کہ بندہ جب سکیننگ مشین کے سامنے آتا ہے اور وہ سکین ہو جاتا ہے تو پھر وہ کہتے ہیں کہ اچھا بھئی! اب آگے جاؤ، بالکل اسی طرح وہاں جائیں اور جب دل کی توجہ پوری طرح سلام پڑھنے کی طرف ہو وہاں کھڑے ہو کر سلام پڑھتے رہیں اور جب ادھر ادھر کے خیال آنے لگیں تو وہاں سے آگے بڑھ جائیں۔ سمجھ لیں کہ میرا وقت پورا ہو گیا ہے، اب اوروں کو بھی موقع دینا ہے۔

امام ابن المقری رحمۃ اللہ علیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مہمان:

چنانچہ امام ابن المقری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم تین طالب علم تھے، جو مسجد نبوی میں حدیث پاک پڑھا کرتے تھے، میرے ساتھ دوسرے دو طالب علم امام طبرانی رحمۃ اللہ علیہ اور ابو الشیخ رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ ہمارا خرچہ ختم ہو گیا، اب فاقے شروع ہو گئے،

ایک دن بھوک نے بہت بے تاب کر دیا، میرے ذہن میں خیال آیا کہ میں تو مہمان ہوں اور یہاں کے میزبان تو اللہ کے حبیب ﷺ ہیں تو میں میزبان کو اطلاع کیوں نہ دوں، چنانچہ میں مواجہہ شریف پر حاضر ہوا اور وہاں سلام پڑھنے کے بعد میں نے کہا:

((یَارَسُولَ اللّٰہِ! الجوعُ))

''اے اللہ کے رسول (ﷺ)! بھوک۔''

بس اتنا کہا۔ امام طبرانی رحمۃ اللہ علیہ کہنے لگے کہ یہاں بیٹھ جاؤ، یا تو کچھ کھانے کو مل جائے گا، ورنہ پھر موت آجائے گی۔ اس کے بعد میں اور ابوالشیخ رحمۃ اللہ علیہ دروازے سے باہر نکلے تو ہم نے دیکھا کہ ایک عربی شخص کھڑا ہے اور اس کے ساتھ دو غلام ہیں اور ان کے ہاتھوں میں دو بڑے بڑے برتن ہیں اور ان کے اندر بہت ساری چیزیں ہیں۔ اس نے کہا کہ آپ لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے میری شکایت لگائی ہے!! واقعہ یہ ہے کہ میں سو رہا تھا تو مجھے خواب میں نبی ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی اور فرمایا کہ مسجد میں میرے مہمان ہیں، انہیں کھانے کی ضرورت ہے، کھانا پہنچاؤ، میں یہ کھانا آپ لوگوں کے لیے لے کر آیا ہوں۔

(سیر اعلام النبلاء: ۱۶/ ۴۰۱، خلاصۃ الوفا باخبار دار المصطفیٰ: ص ۴۹)
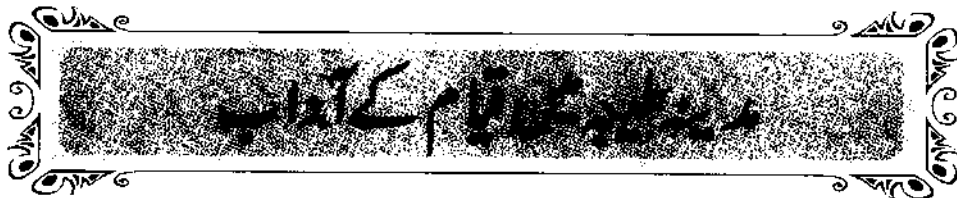
تکبیر اولیٰ کی پابندی:

مدینہ طیبہ کے قیام میں تکبیر اولیٰ کا بہت خیال رکھیں، جن اوقات میں نوافل پڑھنے کتابوں میں لکھے ہوئے ہیں ان میں نوافل پڑھنے کی کوشش کریں، اگر اللہ تعالیٰ

چالیس نمازیں تکبیر اولیٰ کے ساتھ پڑھنے کی توفیق دے تو سبحان اللہ!

درود شریف کی پابندی:

جب بھی گنبد خضریٰ پر نظر پڑے تو سلام پڑھے، درود شریف پڑھے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اپنے گھروں میں تھے تو تصور کی آنکھ سے اس جگہ کو دیکھتے تھے، اب وہاں حاضر ہیں پورا جسم، جسمِ شوق بن کر اس گنبد خضریٰ کو دیکھ رہا ہوتا ہے۔

مدینہ طیبہ میں کسی کی دعوت کو رد نہ کریں!

اور مدینہ طیبہ کی دعوت کو رد نہ کریں۔ ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ یہ سوچے کہ جب بھی مدینہ طیبہ میں کوئی دعوت دے گا تو یہ دعوت گویا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے مل رہی ہے، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے دعوت سمجھ کر اس کو قبول کر لیا کرے۔

مدینہ طیبہ کی کسی چیز پر تنقید نہ کریں!

اور ایک بات کہ مدینہ طیبہ کی کسی چیز پر تنقید نہ کرے، یہ بہت اہم بات ہے، اس کی مثال یوں سمجھ لیں کہ اگر بھنگی کو اپنا محل اور اپنا دربار دکھانے کے لیے بادشاہ بلا لے اور بھنگی وہاں آ کر تجویزیں دینے لگ جائے کہ یہ اچھا نہیں اور یہ اچھا نہیں، یہ ایسے ہوتا تو اچھا تھا، یہ بہتر تھا، اگر وہ زبان کھولے گا تو اس کو دفعہ کر دیا جائے گا کہ جاؤ اپنی جگہ پر، بالکل ہماری مثال ایسی ہے کہ گناہوں میں لتھڑے ہوئے پھر رہے تھے اللہ کی رحمت متوجہ ہوئی اور اللہ نے اس دربار میں ہمیں پہنچا دیا۔ اب ہماری اوقات کہاں کہ ہم وہاں پر تنقیدیں کریں، اگر کچھ آنکھ سے دیکھیں تو بھی خاموش رہیں، کوئی بات نہ کریں، اگر کوئی بات کر دی تو بہت زیادہ پکڑ ہونے کا خطرہ ہے، بعض لوگوں کو

دیکھا ہے کہ نئے نئے آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جی یہاں یہ انتظام اچھا نہیں، وہ نہیں، فلاں نہیں، ہرگز ایسا نہیں کہنا، بس حاضر ہو گئے اللہ کا بہت بڑا کرم ہے۔

مدینہ طیبہ کی "دہی" پر تنقید کرنے والے کی پکڑ:

ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ ایک پیٹ بھرے آدمی کو تنقید کرنے کی عادت تھی، صبح کا ناشتہ لینے کے لیے گیا، دکاندار کو کہا: یہ بھی دے دو، یہ بھی دے دو۔ اس نے کہا: بھئی! دہی بھی لے لو۔ کہنے لگا: نہیں جی! مدینہ کی دہی کھٹی ہوتی ہے۔ اب یہ بندہ جب رات کو سویا تو خواب میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم کہتے ہو کہ مدینہ کی دہی کھٹی ہوتی ہے؟ پھر یہاں سے تم چلے جاؤ۔ اب بڑا پریشان، علما سے پوچھا، سب نے کہا کہ بھئی! اگر حکم ملا ہے تو چلے جاؤ۔ چلتے وقت خیال آیا کہ میں شہداء احد کی جگہ پر جاتا ہوں، حمزہ رضی اللہ عنہ نبی علیہ السلام کے چچا بھی تھے اور دوست بھی تھے، میں وہاں جا کر کچھ پڑھ کر بخشتا ہوں اور دعا مانگتا ہوں، اس نے ایسا کیا، رات کو حمزہ رضی اللہ عنہ کی زیارت نصیب ہوئی، پوچھا کہ مجھے تو ایسا خواب آیا ہے، میں کیا کروں؟ تو سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ چونکہ حکم فرما دیا اس لیے اب تم یہاں سے چلے جاؤ، اگر نہیں جاؤ گے تو تمہارے ایمان کے سلب ہونے کا خطرہ ہے۔

تو اس بات کا خیال رکھیں کہ مدینہ طیبہ کا جتنا قیام ہے عاجزی کے ساتھ گزاریں، کوئی تنقید کسی ترتیب پر نہیں کرنی، یہاں کی نسبت بہت بڑی ہے، وہاں اسی بندے کو رہنے کا موقع دیا جاتا ہے جس کے دل میں عشق ہوتا ہے، کیسے کیسے لوگ وہاں پر رہتے ہیں؟ ایک دو واقعات اور سنا دیتا ہوں۔

ایک سچے عاشق کی تمنائے دل:

ایک ہمارے بہت قریبی تعلق والے تھے۔ ان کا شوق تھا ہر سال حج کرنا اور رمضان شریف میں مسجد نبوی میں اعتکاف کرنا، یہ ان کی زندگی کا شوق تھا، تقریباً باون حج کیے اور اتنی ہی دفعہ اعتکاف کیا۔ اللہ کی شان کہ وہ دل میں تمنا رکھتے تھے کہ اللہ کرے کہ میرا آخری وقت مدینہ طیبہ میں آئے اور ''جنت البقیع'' میں دفن ہونے کی سعادت نصیب ہو جائے۔ اللہ رب العزت نے ان کی دعا کو پورا کیا، رمضان کا مہینہ اور روزے کے ساتھ اور وضو کے ساتھ اور مسجد نبوی میں ہیں اور اعتکاف کی حالت میں ہیں اور عصر کا وقت ہے، جب عصر کی نماز میں کھڑے ہوئے تو دوسری رکعت کے سجدے کے اندر ان کو موت آگئی، سجدے میں گئے تو اوپر نہیں اٹھے، لوگوں نے سلام پھیر کر دیکھا تو روح پرواز کر چکی تھی، تو جن کے دل میں محبت ہوتی ہے قبول وہ ہی ہوتے ہیں۔

بابا نور محمد کا عشق مدینہ:

چنانچہ آپ کو بابا نور محمد کا واقعہ سنا دوں، یہ واقعہ ان کے بیٹے نے ہمیں خود سنایا۔ یہ ایک نوجوان تھا جو ہندو تھا، نبی ﷺ کی سیرت پر کتاب پڑھی تو اس کا دل متوجہ ہوا، اس نے کلمہ پڑھا اور مسلمان ہو گیا، اللہ کی شان کہ اتنے میں ملک تقسیم ہو گیا، اس نے فیصلہ کیا کہ مجھے یہاں پاکستان میں رہنا ہے، یہ نوجوان (بی۔اے) انگلش کے ساتھ اس زمانے میں کر چکا تھا، جب میٹرک بھی کوئی کوئی بندہ کیا کرتا تھا۔ اب چونکہ بہت زیادہ پڑھا لکھا تھا، اس نے Application دی اور وزارت مذہبی امور کے اندر نوکری مل گئی اور یہ اپنی قابلیت کی وجہ سے اور محنت کی وجہ سے بڑھتے بڑھتے ایک

ایسے گریڈ پر پہنچا کہ انہوں نے اس کو پاکستان ہاؤس جو مدینہ طیبہ میں تھا اس کا انچارج بنا دیا، اس کی تو قسمت کھل گئی، ایک نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت ایسی اور پھر مدینہ منورہ میں دفتر کا انچارج... نُوْرٌ علٰی نُور... یہ دن میں تو اپنے دفتر کے کام سمیٹتا اور باقی پورا کا پورا وقت حرم نبوی میں گزارتا۔ اللہ کی شان کہ اس دوران کوئی ایمبیسڈر صاحب آئے اور ان کو اس کا مولوی پن اچھا نہ لگا، تو اس نے واپس جا کر وزیر تعلیم کو شکایت کی کہ تم نے کیا مولوی کو وہاں بٹھا دیا ہے، اس کو تو پتہ ہی نہیں کہ کیا پروٹوکول ہوتا ہے، آفیسر سے کیسے Deal کرنا ہوتا ہے۔ اب وزیر صاحب چونکہ دوست تھے، انہوں نے وہاں سے Discharge کر کے کہہ دیا کہ تم واپس اپنے ملک آ جاؤ، تمہاری جگہ دوسرا بندہ بھیجیں گے۔ بہت دعائیں مانگیں، مگر نور محمد کو واپس جانا پڑا، وہاں جا کر اس کا دل نہیں لگتا تھا، کیونکہ یہ تو کسی اور جہان میں رہتا تھا، مسجد نبوی میں وقت گزارنے والا، بہت پریشان تھا، اس نے دل میں خیال کیا کہ کیوں نہ میں خود جاؤں اور وزیراعظم سے خود بات کرتا ہوں۔ بھٹو صاحب اس زمانے میں وزیراعظم تھے، اس نے Application بنائی اور چونکہ وزارت میں کام کرتا تھا تو ایمبیسی کے لوگ واقف تو تھے، اس لیے یہ دروازے کے سامنے پہنچ گیا، اب بھٹو صاحب ٹائم کے معاملے میں بالکل انگریز تھے، منٹ کے حساب سے وہ آتے تھے اور جاتے تھے اور جو Apointmint لیتا تھا اپنے وقت پر اس کو ٹائم دیتے تھے۔ اس کے پاس نہ ملاقات کا ٹائم اور نہ کچھ، بس دروازے پر جا کر بیٹھ گیا، بیٹھا ہوا ہے، سارا دن گزر گیا۔ اللہ کی شان کہ سردار عبدالقیوم صاحب نے Meeting کرنی تھی، وہ وہاں آئے تو وہ پہچانتے تھے، انہوں نے دیکھ کر کہا کہ نور محمد! یہاں کیوں بیٹھے ہو؟ اس

نے کہا: میں نے ایک Application لکھی ہے اور بھٹو صاحب کو دینی ہے۔ پوچھا: ٹائم لیا ہوا ہے؟ بتایا کہ ٹائم تو نہیں لیا ہوا۔ کہا کہ تمہیں تو پتہ ہے کہ ایک ترتیب ہوتی ہے، اس کے حساب سے وہ سارے کام کرتے ہیں۔ اچھا ٹھیک! میں تمہارا کچھ لحاظ کرتا ہوں۔ وہ اندر گئے اور جا کر بھٹو صاحب سے کہا کہ جناب! ایک بندہ ہے، میرے پندرہ منٹ آپ اس کو دے دیجیے اور میں آپ سے پھر ٹائم لے کر اپنی Meeting کرلوں گا۔ انہوں نے کہا: ٹھیک ہے، اس کو بلالو۔ انہوں نے بلالیا، اب یہ نوجوان گیا اور اس نے انگریزی میں بات کرنی شروع کی کہ میں پہلے ہندو تھا، نبی ﷺ کی سیرت پر کتاب پڑھی اور میرا دل اتنا مطمئن ہوا کہ میں نے کلمہ پڑھ لیا، پھر میں نے یہیں رہنا پسند کیا، پھر اللہ نے مجھے مدینہ طیبہ پہنچا دیا، میں ٹھیک کام کرتا تھا، کام میں کوئی رکاوٹ نہیں تھی، بس میری وضع قطع ایک بندے کو پسند نہ آئی، وہ انگریز قسم کا بندہ تھا، اس نے شکایت لگادی، مجھے ہٹا دیا گیا۔ اس نے بات اتنے درد اور اتنے اچھے طریقے سے کی کہ وہ بھٹو صاحب کو پسند آئی، اس نے آرڈر کر دیے کہ اس کو دوبارہ پھر وہاں لگا دیا جائے۔ لو جی! نور محمد پھر یہاں آ گیا۔ پھر بہت عرصہ اس کو یہاں گزر گیا۔ اللہ کی شان کہ پھر ایک ایسا موقع آیا کہ کسی وجہ سے کسی افسر کے ساتھ کوئی بات ہوئی، یہ حق پر تھا اور وہ غلط کہہ رہے تھے اور انہوں نے "اَنَا" کا مسئلہ بنالیا۔ انہوں نے واپس جا کر اس کے خلاف شکایت کر دی کہ یہ بندہ اس جگہ کے لیے ٹھیک نہیں ہے۔ اب شکایت چونکہ ایک بڑے افسر نے کی تھی، لہٰذا وزیر صاحب نے غصے میں آ کر ان کو نوکری سے ہی ڈِس مِس کر دیا کہ نوکری ہی تمہاری ختم، بس تم واپس آ جاؤ۔ اب یہ دوسرا امتحان تھا، نور محمد بہت پریشان، سارا سارا دن مسجد

نبوی میں دعائیں کرتا، مواجہہ شریف پر حاضری دیتا۔ جب جانے میں ایک دن باقی رہ گیا تو پتہ نہیں نور محمد کے دل میں کیا خیال آیا کہ اس نے بیٹھ کر انگریزی میں ایک خط نبی ﷺ کے نام لکھا۔ اس نے لکھا کہ میں تو ہندو تھا، آپ کی سیرت پڑھی اور میں مسلمان ہوا پھر مجھے پہلے موقع ملا پھر موقع ملا، اب مجھے یہاں سے پھر واپس بلا لیا گیا۔ اے اللہ کے نبی! میں آپ کی جدائی برداشت نہیں کر سکتا۔ بس میں نے جو اپنی فریاد کرنی تھی وہ آپ کے سامنے پیش کر دی ہے۔ یہ رقعہ اس نے لکھا اور اللہ کی شان کہ مواجہہ شریف پر گیا اور یہ رقعہ اس نے جالی کے اندر ڈال دیا۔ اس زمانے میں اتنا رش نہیں ہوتا تھا۔ اب جالی کی صفائی کرنے والے لوگوں نے جالی کی صفائی کی اور ان کا ایک دستور ہے کہ اندر سے جو بھی چیز ملتی ہے صفائی کرنے والا اس کو اپنے پاس نہیں رکھ سکتا، بلکہ ڈائریکٹر کو پہنچا دیتا ہے، جب صفائی ہوئی تو مٹی کے ساتھ ایک کاغذ بھی تھا، جب ڈائریکٹر نے پڑھا تو اس کو عجیب سا مضمون لگا، مگر اللہ کی شان کہ مسجد نبوی کی توسیع کے بارے میں ان دنوں اس کی شاہ فیصل کے ساتھ Meeting تھی، اس نے سوچا کہ میں نے Meeting میں جانا ہی ہے میں اپنے پاس رکھ لیتا ہوں، اگر حالات ایسے چلے اور گفتگو کا رخ اس طرف چلا تو میں بتاؤں گا کہ لوگ کیا کیا کرتے ہیں، لہذا اس نے وہ کاغذ جیب میں ڈال لیا۔ Meeting ہوئی، اس کے بعد جنرل بات چلی، انہوں نے پوچھا کہ بتاؤ بھئی! مسجد نبوی میں لوگ کیسے آتے ہیں، جاتے ہیں، رہتے ہیں؟ اس نے باتیں کرتے ہوئے کہا کہ دیکھو جی! لوگوں کا یہ حال ہے، اب انہوں نے جب خط پڑھا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے دل میں یہ بات آئی کہ جس کے دل میں نبی ﷺ کی اتنی محبت ہے تو اس کا تو حق بنتا ہے کہ وہ مدینہ طیبہ ہی

میں رہے۔لو جی! انہوں نے بھٹو صاحب کے نام خط لکھوایا کہ یہ بندہ آپ کے ملک میں ہے آپ اس کو ڈھونڈیں اور اس کے بچوں سمیت اس کی ٹکٹیں بنوا کے ویزے لگوا کر بھیجیں، میں ان کو یہاں کی شہریت دینا چاہتا ہوں۔ اللہ کی شان کہ اس کو ڈھونڈا گیا اور اس کو موقع دیا گیا اور نور محمد یہاں آیا اور اس کے پورے خاندان کو شہریت مل گئی۔اچھا! نور محمد سارا دن مسجد میں رہتا، اس کا کام ہی یہی تھا۔ جیسے مچھلی پانی میں آ کر پرسکون ہو جاتی ہے، اسی طرح وہ مسجد کے ماحول میں آ کر پرسکون ہو جاتا تھا۔

اللہ کی شان دیکھیں! پھر ایک وقت ایسا آیا کہ نور محمد کی والدہ نے خط لکھا: بیٹا! اتنے سال ہو گئے تم نے کبھی کوئی عید میرے پاس نہیں گزاری، رمضان کا مہینہ قریب ہے اور اس کے بعد پھر عید آ رہی ہے، اس دفعہ یہ عید میرے پاس گزار لو۔تو نور محمد نے پروگرام بنا لیا کہ میں جاتا ہوں۔ چنانچہ اس نے ٹکٹ بنوائی اور اپنی والدہ کے پاس چلا گیا، رمضان شریف کا مہینہ تھا، نور محمد بیٹھا ہوا تھا کہ اس کے ایک دوست نے فون کیا۔کہا: نور محمد! تم تو وہاں بیٹھے ہو اور مجھے اشارہ ہوا ہے کہ تم جلدی واپس آؤ، نور محمد نے اپنی والدہ سے اجازت لی اور سیدھا پی آئی اے کے دفتر میں پہنچا کہ جناب! مجھے جانا ہے۔انہوں نے کہا کہ جناب! آخری عشرہ قریب ہے، ان دنوں میں تو سیٹیں بھی نہیں ہوتیں، بڑی لمبی لسٹ ہے، اس نے بڑی منت سماجت کی، مگر سب نے کہا کہ بھئی! اس وقت آپ کی سیٹ کنفرم نہیں ہو سکتی۔ کاؤنٹر پر ایک نوجوان لڑکا بیٹھا ہوا تھا، نور محمد اس کے پاس گیا اور جا کر کہتا ہے کہ اگر مجھے تم ایک سیٹ دلوا دو تو میں تمہیں ایک بہت اچھا ہدیہ دوں گا، اس نے پوچھا کہ کیا ہدیہ دو گے؟ نور محمد نے کہا کہ میں مدینہ طیبہ جاؤں گا اور نبی پاک ﷺ کے روضۂ انور پر تمہارا نام لے کر تمہارا اسلام پہنچاؤں گا، اس نوجوان کے

دل میں ایسی بات آئی کہ اس نے کہا: ٹھیک ہے، وہ دفتر میں اپنے افسر کے پاس گیا اور کہا کہ جناب! ایک سیٹ چاہیے، اس نے کہا: سیٹ تو ہے نہیں، اس نے کہا: جی مجھے نہیں پتہ، مجھے یہاں سروس کرتے ہوئے عمر گزر گئی، میں نے کبھی ایسا Benifit نہیں لیا، لیکن مجھے ایک سیٹ چاہیے، جب اس نے زیادہ اصرار کیا تو افسر نے کہا کہ ایسا ہے کہ وہ جو فلاں جگہ Centred Computer ہے، ان لوگوں نے ہر فلائیٹ کے اندر دو چار سیٹیں رکھی ہوتی ہیں کہ حکومت کا کوئی افسر، کوئی خاص آدمی جانا چاہے تو وہاں سے اس کو سیٹ مل جاتی ہے۔ تو چیک کرو کہ اگر اس میں کوئی گنجائش ہے تو تمہیں سیٹ مل جائے گی، اس نے وہاں بات کی تو Computer Section میں اس کے دوست تھے، انہوں نے کہا کہ اچھا جی ہم پتہ کرتے ہیں، انہوں نے پتہ کر کے ایک سیٹ کی جگہ نکال لی اور نور محمد کو وہ سیٹ مل گئی، یہ مدینہ منورہ پہنچا، مسجد نبوی میں حاضری دی اور تیسرے دن نور محمد کی وہیں پر وفات ہو گئی۔

جن کے دل میں عشق نبوی ہوتا ہے مدینہ طیبہ میں رہنے کی سعادت ان کو نصیب ہوتی ہے، اس لیے نبی ﷺ نے فرمایا: کہ میرا مدینہ بھٹی کے مانند ہے، کھرے اور کھوٹے کو جدا کر دیتا ہے۔ (صحیح بخاری، حدیث: ۷۲۱۱ باب مَنْ بَايَعَ ثُمَّ اسْتَقَالَ الْبَيْعَةَ)

اس لیے مدینہ طیبہ میں رہ کر جو فسق و فجور میں پڑ جائے تو بہت جلدی وہاں سے اس کی چھٹی کروادی جاتی ہے۔ مدینہ طیبہ کی حاضری، ہے بھی ضروری اور وہاں جا کر یہ بھی دعا مانگنی چاہیے کہ اے اللہ! ہمیں مدینہ میں موت نصیب فرمادے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے دعا مانگی تھی:

((اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنِي شَهَادَةً فِي سَبِيلِكَ وَاجْعَلْ مَوْتِي فِي بَلَدِ رَسُولِكَ))

(صحیح بخاری، بَابُ كَرَاهِيَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ تُعْرَى الْمَدِينَةُ)

خاک ہوتا میں تیری گلیوں کی:

تصور کی دنیا میں سوچ کر لوگ کیا کیا لکھتے ہیں، ایک صاحب نے لکھا کہ اے اللہ کے حبیب (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! جس زمانے میں آپ تھے اگر اس وقت میں ہوتا تو کیا ہوتا۔ یہ عاشقوں کی بات ہے۔ وہ تصور میں اپنے محبوب سے باتیں کرتے ہیں، تو وہ بات کرتے ہوئے کہتے ہیں:

سوچتا ہوں میں تب جنم لیتا
جانے پھر میں کیا سے کیا ہوا ہوتا

چاند ہوتا تیرے زمانے کا
حکم تیرے سے میں بٹا ہوتا

پانی ہوتا وہاں کے چشموں کا
تیرے قدموں پہ بہہ گیا ہوتا

ٹکڑا ہوتا میں ایک بادل کا
ساتھ تیرے میں گھومتا ہوتا

پیڑ ہوتا کھجور کا کوئی
جس کا پھل تو نے کھا لیا ہوتا

تیرے حجرے کے آس پاس کہیں
میں کوئی کچا راستہ ہوتا

خاک ہوتا میں تیری گلیوں کی
تیرے قدموں کو چومتا ہوتا

قطرہ ہوتا میں تیرے آنسو کا
غمِ امت میں بہہ گیا ہوتا

اللہ اکبر! یہ محبت کیا چیز ہے!؟ سبحان اللہ! اللہ رب العزت ہمیں بھی نبی ﷺ کی ایسی سچی محبت عطا فرمائے۔

اپنے دامانِ شفاعت میں چھپائے رکھنا....

چنانچہ کسی عارف نے نبی ﷺ کی محبت میں کچھ اشعار کہے ہیں، ان کا لب لباب یہ ہے کہ اے اللہ کے حبیب (ﷺ)! یہاں تو اللہ نے میرے عیبوں کی ستر پوشی کر دی، گناہوں کے باوجود دنیا میں عزتوں کی زندگی دے دی۔ اے اللہ کے حبیب (ﷺ)! جو یہاں بات بنی ہوئی ہے نا! اب آپ قیامت کے دن میری شفاعت فرما کے اس بات کو بنائے رکھنا۔ چنانچہ کہا:

اپنے دامانِ شفاعت میں چھپائے رکھنا
میرے سرکار! میری بات بنائے رکھنا
آپ کی یاد ستاتی ہے تو رو لیتے ہیں
اپنی یاد کے روگ لگائے رکھنا
میں نے مانا کہ گناہ گار ہوں پر آپ کا ہوں
اس گناہ گار سے سرکار نبھائے رکھنا

ہم نے گھروں میں دیکھا ہے کہ جو پرانے نوکر ہوتے ہیں وہ کئی مرتبہ کام میں سستی کرتے ہیں اور غفلت کرتے ہیں، ان پر غصہ بھی آتا ہے، مگر مالک مکان سوچتا ہے کہ پرانا ہے اور اپنا ہے، اس لیے وہ نبھاتا ہے، کہ چلو نبھا کر لیتے ہیں۔ اے اللہ کے حبیب (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! وہ ہی بات ہماری ہے کہ اگرچہ گناہ گار ہوں، مگر ہوں تو آپ ہی کا۔

میں نے مانا کہ گناہ گار ہوں پر آپ کا ہوں
اس گناہ گار سے سرکار نبھائے رکھنا
ذرۂ خاک کو خورشید بنانے والے!

اے اللہ کے حبیب (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! آپ کی نگاہ ذرے پر پڑ جاتی تھی تو وہ سورج بن جایا کرتا تھا۔

ذرۂ خاک کو خورشید بنانے والے!
خاک ہوں میں مجھے قدموں سے لگائے رکھنا

اللہ رب العزت ہماری مدینہ طیبہ کی حاضری کو قبول فرمائے۔ (آمین)

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

مناجات

اے کریم آقا! ہم آپ کے عاجز مسکین بندے ہیں ہمارے گناہوں کو معاف فرما...خطاؤں سے درگزر فرما...عیبوں کی پردہ پوشی فرما...اللہ! ہماری نگاہوں کو پاک فرما...دلوں کو صاف فرما...اللہ! ہمارے لیے حرمین شریفین کی حاضری کے فیصلے فرما... یہاں پر ہمارا رہنا آسان فرما...اے اللہ! ہم گناہ گار ہیں، خطا کار ہیں اے اللہ! ہمیں یہاں کی حاضریوں سے محروم نہ فرما...میرے مولیٰ! ہمیں محروم نہ فرما...اے کریم! ہمیں محروم نہ فرما...اے اللہ! آپ کے حبیب ﷺ نے فرمایا: میرا مدینہ بھٹی کے مانند ہے، کھرے کھوٹے کو الگ کر دیتا ہے، میرے مولیٰ! ہمیں کھوٹے پن سے بچا لیجیے...اے اللہ! ہمیں کھرا بنا دیجیے...اللہ! کھرا کر دیجیے، کھروں میں شامل فرما لیجیے...اللہ! آپ کے سامنے حاضر ہیں ہمارے دلوں پر رحمت کی نظر فرما دیجیے...اللہ! اپنے حبیب ﷺ کی ایک ایک سنت پر محبت کے ساتھ عمل کرنے کی توفیق عطا فرما...ہمارے اس سفر کو وسیلۂ ظفر بنا...حج کو حج مقبول بنا...مدینہ طیبہ کے سفر کو ہمارے لیے نیک بختی کا ذریعہ بنا...ہمیں اپنے حبیب ﷺ کی شفاعت نصیب فرما...قیامت کے دن ان کے ہاتھوں سے آبِ کوثر کا جام نصیب فرما...اللہ! قیامت کے دن ان کی شفاعت نصیب فرما...جنت میں ان کے قرب میں مکان عطا فرما...اے اللہ! ہم آپ کے ایسے بندے ہیں جو ایسے وقت میں پیدا ہوئے کہ آپ کے حبیب ﷺ کا دیدار نہیں کر سکے، اللہ! بڑا جی چاہتا ہے کہ آخرت میں ان کا دیدار کریں، لیکن جب قرآن پاک پڑھتے ہیں اس میں لکھا ہے کہ آپ قیامت کے دن کچھ لوگوں کو اندھا کھڑا کریں گے، اللہ! اگر آپ نے ہمیں اندھا کھڑا کر دیا تو ہم

قیامت کے دن بھی ان کی زیارت سے محروم ہو جائیں گے، اللہ! دوہری محرومی سے بچا لینا، دوہری محرومی سے بچا لینا... اللہ! بڑا جی چاہتا ہے کہ اس چہرے کو دیکھیں جس کو آپ نے والضحیٰ فرمایا اور ان زلفوں کو دیکھیں جن کو آپ نے واللیل کہا، اللہ! جو آسمان کی طرف دیکھتے تھے (قد نری تقلب وجھک فی السماء) آپ ان کے چہرے کو محبت کی نظر سے دیکھتے تھے، اللہ! ہمیں بھی اس چہرے کا دیدار عطا فرما... خواب میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت نصیب فرما... اللہ! ان کی سنت پر مر مٹنے کی توفیق نصیب فرما... ان کے دین کی محنت کے لیے ہمیں بھی قبول فرما... اللہ! ان کے غلاموں میں ہمیں بھی شامل فرما اور ہماری ان دعاؤں کو اپنی رحمت سے قبول فرما... جو مانگا عطا فرما اور جو مانگنا چاہیے تھا اور نہیں مانگ سکے وہ بھی عطا فرما...!!

ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم وتب علینا انک انت التواب الرحیم صلی اللہ تعالیٰ علی حبیبه سیدنا محمد و آله و اصحابه اجمعین برحمتک یا ارحم الراحمین
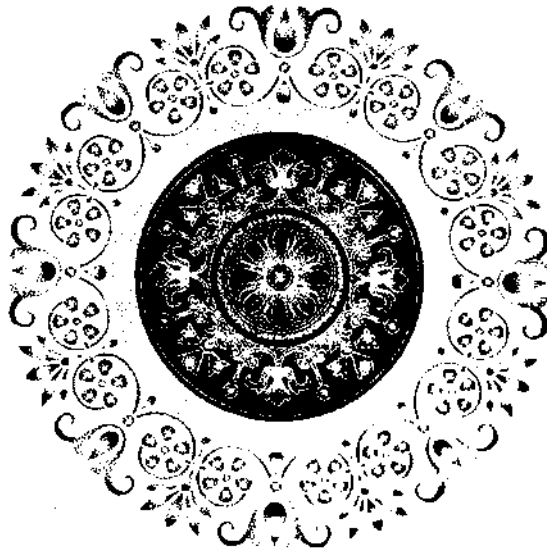
حج اور نماز

کے معارف

حج اور نماز کے معارف

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۝ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

﴿وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ﴾ (البقرة:۱۹۶)

سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ۝ وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ۝

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ

دینِ اسلام کی بنیاد:

دین اسلام کی بنیاد پانچ ارکان پر ہے، نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

((بُنِيَ الْاِسْلَامُ عَلٰى خَمْسٍ)) (صحيح ابن خزيمه، حديث:۳۰۸)

جیسے عمارت کی بنیاد ستونوں پہ ہوتی ہے تو یہ پانچ ارکان دین اسلام کے پانچ ستون ہیں۔ ان میں سے پہلا ہے: کلمہ طیبہ، کہ انسان کلمہ پڑھے اور اللہ پہ ایمان لے آئے۔ یہ کلمہ طیبہ حقیقت میں اللہ رب العزت کے ساتھ پیمانِ وفا ہے کہ انسان یہ عہد کرتا ہے کہ میرے اللہ! میرے دل میں جو محبتوں کی انتہا ہوگی، وہ صرف تیری ذات کے لیے ہوگی۔

کلمہ طیبہ۔۔۔اللہ تعالیٰ سے پیمان وفا:

اس کی تفصیل یوں سمجھیں کہ جب کسی چیز کی طرف انسان کا میلان ہوتا ہے تو اس کو کہتے ہیں ''رغبت'' کہ میرے دل میں فلاں چیز کی رغبت پیدا ہوئی، پھر جب وہ رغبت بڑھ جاتی ہے تو اس کیفیت کو کہتے ہیں: ''طلب''۔طلب کا کیا معنیٰ؟ کہ اب اس کو حاصل کرنے کی فکر ہو جاتی ہے، سوچ شروع ہو جاتی ہے۔اور جب طلب بڑھ جاتی ہے تو اس کیفیت کو کہتے ہیں: ''محبت''۔

محبت کے معنی ہیں کہ اس چیز کے بغیر انسان کو چین نہیں آتا، دل چاہتا ہے کہ وہ چیز ہر وقت پاس رہے، ساتھ رہے اس کو محبت کہتے ہیں اور جب محبت بڑھتی ہے تو اس کی آخری کیفیت کو ''عبادت'' کہتے ہیں۔

ایک مرتبہ میں نے بعض نو جوانوں سے سوال کیا کہ کوئی محب اپنے محبوب کو کیا چیز پیش کر سکتا ہے؟ تو ان سب نے جوانوں والے جواب دیے، کسی نے کہا: اپنا مال وقف کر دے، کسی نے کہا کہ جان فدا کر دے، مگر ہمارے بزرگوں نے لکھا ہے کہ محبت کی انتہاء یہ ہے کہ محبوب کی ایسی محبت دل میں آجائے کہ محب بے اختیار ہو کر محبوب کے قدموں میں آکر گر جائے۔یہ محبتوں کی انتہا ہے۔ہم نے جو اللہ تعالی سے عہد کیا کہ لا الہ الا اللہ (نہیں کوئی معبود اللہ کے سوا) ہم نے یہ عہد کیا ہے کہ اے اللہ! ہمارے دل میں جو محبتوں کی انتہا ہوگی وہ صرف تیری ذات کے لیے ہوگی، ہم نے سب محبتوں کو چھوڑ دیا بس تیری محبت ہی ہمارے دل میں غالب رہے گی، کیونکہ اللہ تعالیٰ سے اتنا بڑا عہد کر لیا، اس لیے فرمایا:

((اَلْاِسْلَامُ يَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهُ)) (صحیح مسلم، باب کون الاسلام یھدم ماقبلہ)

اسلام لانے سے قبل جتنے بھی گناہ کیے ہوں اللہ تعالیٰ سب معاف فرما دیتے ہیں، تو یہ اللہ کے ساتھ پیمانِ وفا ہے۔

کلمہ طیبہ کی فضیلت:

جب کوئی کافر کلمہ پڑھتا ہے تو ایک فرشتہ اس کے عمل کو لے کر اللہ تعالیٰ کے حضور پیش ہوتا ہے، راستے میں اس کی کسی دوسرے فرشتے سے ملاقات ہوتی ہے تو دونوں ہم کلام ہوتے ہیں، وہ پوچھتا ہے: کہاں جا رہے ہو؟ تو یہ کہتا ہے کہ ایک بندہ نے کلمہ پڑھا ہے، میں اس کا عمل لے کر اللہ کے حضور پیش ہونے جا رہا ہوں، یہ فرشتہ اس سے پوچھتا ہے کہ تم کہاں جا رہے ہو؟ تو وہ کہتا ہے کہ جس بندے نے کلمہ پڑھا میں اس بندے کی مغفرت کا پیغام لے کر جا رہا ہوں۔ تو کلمہ حقیقت میں اللہ تعالیٰ سے پیمانِ وفا ہے۔

پہلا اصل رکن۔۔۔نماز:

باقی رہ گئے چار ارکان۔ ان ارکان میں سے دو رکن اصل ہیں اور باقی دو رکن ان کے تابع ہیں، مثال کے طور پر:

اصل رکن ہے نماز، کہ انسان اللہ کے حضور پانچ مرتبہ روزانہ حاضری دے۔ یہ خیر العمل ہے، یہ اسلام کی نشانیاں ہیں، مسلمان اور کافر کے درمیان فرق کرنے والی چیز نماز ہے۔ جو پانچ وقت نماز پڑھ لیتا ہے ایسا ہے کہ اس نے پانچ دفعہ غسل کیا، اس کے جسم پر میل نہیں رہ سکتی، تو پانچ نمازیں پڑھنے والے بندے کے جسم پر گویا گناہ کے اثرات نہیں رہ سکتے۔ تو یہ اصل ہے۔

زکوۃ، نماز کے تابع:

اور زکوۃ اس کی تابع ہے، وہ کیسے؟ کہ زکوۃ اصل میں ہے دل میں مال کی محبت کو کم کرنا۔ اور اگر آپ غور کریں کہ نماز میں اگر کوئی چیز نماز میں خیالات لاتی ہے تو وہ مال یا مال سے متعلقہ چیزیں ہی ہوتی ہیں، کبھی کاروبار کے مسئلے، کبھی فلاں مسئلے، جتنا کسی کے کام بکھرے ہوں گے اتنا نماز میں سوچیں زیادہ ہوں گی، چونکہ مال اس نماز میں یکسوئی ختم کرتا ہے، اس لیے فرمایا کہ تم اس مال کی محبت کم کر کے دکھاؤ۔ چنانچہ امیروں سے کہا کہ تم اپنے مال میں سے اڑھائی فیصد اللہ کے راستے میں دے دو، تاکہ یہ ثابت ہو جائے کہ تمہارے دل میں مال کی محبت کم ہے اور اللہ کی محبت غالب ہے۔ جب مال کی محبت کم ہو گی تو صاف ظاہر ہے کہ نماز بھی یکسوئی سے پڑھے گا، ورنہ تو مال کے چکر میں ہر وقت خیال ہی رہے گا، کہاں سے آئے گا اور کہاں پر لگاؤں گا۔ تو شریعت نے زکوۃ کا جو حکم دیا وہ حقیت میں دل سے مال کی محبت کو کم کرنے کا ایک حکم ہے اور اس کا فائدہ انسان کی نماز میں ہوتا ہے، تو گویا یہ نماز کے تابع حکم تھا، نماز کو کامل کرنے کے لیے، نماز کے خشوع کو مکمل کرنے کے لیے یہ حکم دیا گیا، چنانچہ انسان زکوۃ دیتا ہے تو اس کا یہ عمل مال کی محبت کو کم کر دیتا ہے، اس کو پھر دنیا کے خیال نہیں آتے۔

اولیاء اللہ کے دل مال کی محبت سے پاک:

ہمارے مشائخ کی تو خیر کیفیت ہی اور تھی۔ ایک بزرگ تھے، ان سے کسی نے پوچھا کہ نماز میں آپ کو دنیا کا خیال آتا ہے؟ تو کہنے لگے کہ نہ نماز میں آتا ہے نہ نماز کے بغیر آتا ہے۔ اللہ نے ایسے ان کو دل دیے تھے۔

شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں آتا ہے کہ ان کا ایک تجارتی جہاز تھا، وہ ڈوب گیا، انہوں نے کہا: الحمدللہ۔ تھوڑی دیر بعد خبر آئی کہ بچ گیا تو کہا: الحمدللہ۔ تو پوچھنے والے نے پوچھا کہ یہ کیا ہوا؟ ڈوبنے پہ بھی الحمدللہ اور بچنے پہ بھی الحمدللہ؟ تو انہوں نے پھر بات سمجھائی کہ جب ڈوبنے کی خبر آئی تھی تو میں نے اپنے دل میں دھیان ڈال کر نظر ڈالی تھی کہ کتنا صدمہ ہوا، تو میرے دل میں کوئی صدمہ نہیں تھا، اس لیے میں نے کہا: الحمدللہ۔ جب بچنے کی خبر ملی تو پھر دل میں جھانک کر نظر ڈالی اور دیکھا کہ خوشی نہیں ہوئی، میں نے کہا: الحمدللہ۔ اس کو کہتے ہیں:

﴿لِكَيْلَا تَأْسَوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَآ اٰتٰكُمْ﴾

(الحدید: ۲۳)

اللہ عطا کر دے تو انسان اپنے آپ سے باہر نہ ہو، متکبر نہ بنے، تعجب نہ کرے، عجب نہ کرے اور اگر اللہ تعالیٰ واپس لے لیں تو اس پر بہت ہی مایوس نہ ہو جائے، آنے جانے والی چیز ہے، ڈھلتی چھاؤں ہے، اس لیے انسان مال پر بھروسہ نہ کرے اور نہ اس کی بہت زیادہ چاہت کرے، کیوں؟ مال جب آتا ہے تو اپنے ساتھ وبال لے کر آتا ہے، تھوڑے لوگ ہوتے ہیں جو مال کے فتنے سے بچتے ہیں۔

مال بے وبال مانگیں:

آپ غور کریں کہ اللہ تعالیٰ کسی کو مال تو دے دیں، لیکن اولاد کو نافرمان بنا دیں تو؟ بیوی نافرمان ہو جائے تو؟ کوئی بیمار ہو جائے تو؟ ایسے مال کو کیا کرنا ہے؟ اس لیے انسان مال اگر مانگے تو بغیر وبال والا مانگے، جو دین پر خرچ ہونے والا ہو، اور جو انسان کے دین میں معاون بننے والا ہو۔ تو نماز اصل عبادت ہوئی اور زکوۃ اصل میں اس کے تابع عبادت ہے، جو نماز کو مکمل کرتی۔

دوسرا اصل رکن۔۔۔حج:

اسی طرح حج بھی اصل عبادت ہے۔رب کریم نے حکم دیا:

﴿وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ﴾ (البقرۃ:۱۹۶)

''حج اور عمرے کو اللہ تعالیٰ کے لیے پورا کرو۔''

روزہ، حج کے تابع:

اب یہ روزہ حج کے تابع عبادت ہے۔وہ کیسے؟ کہ روزہ میں انسان چیزوں کو چھوڑتا ہے، مثلاً: کھانا چھوڑ دیا، پینا چھوڑ دیا، میاں بیوی کے معاملات ختم، تو روزہ ترک کی عبادت ہے۔اگر آپ غور کریں تو حج بھی ترک کی عبادت ہے، زینت چھوڑ دی، بال کاٹنے چھوڑ دیے، خوشبو لگانا چھوڑ دی اور صابن سے غسل کرنا چھوڑ دیا، حتی کہ سلا ہوا لباس بھی چھوڑ دیا، تو یہ ترک کی عبادت ہوئی۔''ترک کرو....ترک کرو....ترک کرو....چھوڑو....چھوڑو....چھوڑو''۔

اچھا پھر جب حج کرنے کو نکلتا ہے تو بیوی بچوں کو چھوڑا، عزیز رشتہ داروں کو چھوڑا، اپنے شہر کو چھوڑا، حتی کہ وطن کو چھوڑا اور جب میقات پر گیا تو اپنے آپ کو بھی چھوڑ دیا، تو حج کی عبادت بھی ترک کی عبادت ہے، چھوڑنے کی مشق کروائی جا رہی ہے، کہ تم ہر چیز کو چھوڑ کر دکھاؤ۔اللہ! آپ کے حکم پر سب کچھ چھوڑ رہے ہیں۔

رمضان کو ذی الحجہ سے پہلے رکھنے میں حکمت:

اس لیے حج سے پہلے رمضان کا مہینہ رکھا، تاکہ یہ تھوڑا تھوڑا ترک کرنے کی مشق کرے، پہلے کہا کہ کھانا پینا اور میاں بیوی کا مسئلہ ترک کر دو۔اللہ! ترک کر دیے۔

جب بیس دن گزر گئے تو کہا: اب اعتکاف کرو۔ وہ جو ترک تھا اس میں کمال پیدا کر دیا، اب شہر کو بھی چھوڑ دو، رشتہ داروں کو بھی چھوڑ دو، اب آؤ ہمارے گھر۔ اب دیکھیں! وہ ترک کا جو معاملہ ہے وہ بڑھتا چلا جا رہا ہے۔ تو حج اصل عبادت ہوئی۔

آپ غور کریں تو حج مطلوب عبادت ہے، جو کہ اصل ہے اور روزہ اس کے تابع عبادت ہے۔ تو اصل عبادتیں جو شریعت نے بتائیں وہ دو ہیں: نماز اور حج۔

در حقیقت نماز بھی حج کے تابع ہے:

اب نماز کے بڑے فضائل ہیں، لیکن اگر آپ غور کریں تو ایک موقع ایسا بھی آتا ہے کہ نماز بھی حج کے تابع ہو جاتی ہے، وہ کیسے؟ کہ آپ حج کرنے کے لیے آئے اور آپ نے وقوف عرفہ میں دعا مانگنی ہے تو اس دعا نے عصر کی نماز میں رکاوٹ ڈالنی تھی، اس لیے شریعت نے کہا کہ اچھا تم اپنے ارکان کو تو کرو وقت پر، مگر یہ جو تمہاری عصر کی نماز ہے یہ ہم تمہیں ظہر کے ساتھ ادا کرا دیتے ہیں، وقت سے پہلے ہی، تاکہ تمہاری اس یکسوئی کے اندر کوئی خلل نہ آئے۔ اے اللہ! اب میں نے ظہر اور عصر تو پڑھ لی اور پھر وقوف بھی کر لیا، اب کیا کریں؟ فرمایا: اب اگلا رکن ہے کہ تم نے مزدلفہ پہنچنا ہے اور پہنچنے میں مغرب رکاوٹ بنے گی، لہٰذا مغرب کو Delay کرو اور عشاء کے ساتھ پڑھو۔ تو ایک وقت میں نماز کو وقت سے پہلے پڑھا لیا اور دوسرے وقت میں نماز کو قضا کرا کے پڑھا دیا، یہ بتلا دیا کہ دیکھو! ہم نے شعائر حج کو اپنی جگہ رکھا ہے، اگر ضرورت پڑھی ہے تو نماز کو آگے پیچھے کر لیں۔ اگر اس نظر سے دیکھیں تو حج کے ان ایام میں گویا نماز بھی حج کے تابع ہے۔ تو اصل عبادت جو دین اسلام نے بتلائی ہے وہ حج کی عبادت ہے۔

نماز، حج کے تابع کیوں؟

ایسا کیوں کہا؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان کو اللہ تعالیٰ نے دو صلاحیتیں دی ہیں:
ایک صلاحیت کو کہتے ہیں ''عقل'' اور ایک صلاحیت کو کہتے ہیں ''انسان کا قلب۔''
عقل سے علم ہے، جو انسان کو حاصل ہوتا ہے۔ اور قلب سے انسان کو محبت حاصل ہوتی ہے۔ تو کیفِ علم کا تعلق دماغ سے ہے اور کیفِ عشق کا تعلق انسان کے قلب سے ہے۔

نماز کا تعلق علم کے ساتھ:

اب آپ غور کریں! کہ نماز کا تعلق علم کے ساتھ ہے۔ علم کا کیا مطلب؟ علم کا مطلب ہے کہ نماز میں انسان اللہ رب العزت کے ساتھ ہم کلامی کرے، حضوری کے ساتھ کھڑا ہو۔ اس لیے نماز میں نسیان کو پسند نہیں کیا گیا، بلکہ فرمایا:

((اَنْ تَعْبُدَ اللّٰہَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ)) (صحیح بخاری، حدیث: ۵۰)

''اللہ کی عبادت اس طرح کرو گویا کہ تم اسے دیکھ رہے ہو۔''

تو اس کیفیت کو بتایا گیا ہے۔ معلوم ہوا کہ نماز کا تعلق علم کے ساتھ ہے، حضوری کے ساتھ ہے اور معرفت کے ساتھ ہے۔

حج کا تعلق عشق کے ساتھ:

لیکن حج کا تعلق عشق کے ساتھ ہے۔ فرمایا: آؤ اور ہماری محبت میں مستانہ وار نعرے لگاتے ہوئے، لَبَّیک اللّٰھُمَّ لَبَّیک کہتے ہوئے، چھوڑ دو ہر چیز کو، عاشق کو کیا پرواہ کسی چیز کی؟ کہ تمہارے جسم پر لباس کیسا ہے اور تم کس حال میں ہو، آؤ! ہر

چیز کو چھوڑتے ہوئے۔ اِدھر (حج میں) تعلق عشق کا اور اُدھر (نماز میں) تعلق علم کا۔ تو یہ دو عبادتیں اصل ہوئیں۔

اللہ کی تمام صفات میں سے دو زیادہ اہم:

اگر آپ غور کریں تو اللہ رب العزت کی جو ننانوے صفات ہیں ان میں سے جو دو صفات ہیں وہ زیادہ اہم ہیں۔ وہ کون سی؟ ایک صفت ہے اللہ رب العزت کا جلال اور دوسری صفت ہے اللہ کا جمال۔

نماز میں صفتِ جلال کا غلبہ ہے:

اب جلال کا تعلق یہ ہے کہ انسان سہما ہوا، ادب کے ساتھ، خائف بن کے اللہ کے سامنے کھڑا ہو جائے۔ کیوں؟ اس لیے کہ اس کی کبریائی کا تقاضہ ہے، اس کی عظمت کا یہ تقاضہ ہے۔

اب کسی کے سامنے ادب کے چار طریقے ہیں:

۱: انسان ہاتھ باندھ کے کھڑا ہو جائے۔

۲: یا اس کے سامنے جھک جائے۔

۳: یا سجدے میں چلا جائے۔

۴: یا التحیات میں بیٹھ جائے۔

تو اللہ کی کبریائی سے متعلق جو چار صورتیں تھیں انہی کو نماز بنا دیا گیا۔

معلوم ہوا کہ نماز کے اندر اللہ تعالیٰ کی صفتِ جلال کا غلبہ ہے۔ اسی لیے فرمایا:

﴿أُولَٰئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ أَنْ يَدْخُلُوهَا إِلَّا خَائِفِينَ﴾ (البقرۃ:۱۱۴)

''ان لوگوں کو کچھ حق نہیں کہ ان میں داخل ہوں مگر ڈرتے ہوئے۔''

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ پر جلال الٰہی کا غلبہ:

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں آتا ہے کہ جب نماز کا وقت ہوتا تو بہت گھبرا جاتے تھے اور چہرے کا رنگ بدل جاتا تھا، کسی نے کہا کہ آپ تو بڑی بڑی جنگوں میں نہیں گھبراتے تھے تو یہاں کیوں ایسا ہوتا ہے؟ فرمایا: ہاں! اب ایسی امانت کی ادائیگی کا وقت آ گیا ہے کہ جو اللہ نے آسمانوں اور زمین پر پیش کی تو انہوں نے اٹھانے سے انکار کر دیا تھا اور میں نے اس کو اٹھالیا تھا (اس خوف کی وجہ سے میری حالت بدل گئی ہے کہ پتہ نہیں صحیح طرح ادا کر پاؤں گا کہ نہیں)۔

(احیاء علوم الدین: ۱/ ۲۹۳)

حضرت علی بن حسین رحمۃ اللہ علیہ پر جلال الٰہی کا غلبہ:

اسی طرح حضرت علی بن حسین رحمۃ اللہ علیہ جن کو امام زین العابدین بھی کہتے ہیں، ان کے بارے میں آتا ہے کہ جب وہ نماز کے لیے وضو فرماتے تو ان کا چہرہ زرد ہو جاتا تھا، ان کی بیوی ان سے پوچھتی کہ وضو کے وقت آپ پر یہ کیفیت کیوں آ جاتی ہے؟ وہ فرماتے کہ کیا آپ کو پتہ نہیں کہ کس شہنشاہ کے دربار میں حاضری دینے جا رہا ہوں؟

(احیاء علوم الدین: ۱/ ۲۹۳)

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ پر جلال الٰہی کا غلبہ:

سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ ایک بزرگ تھے۔ اپنے آپ کو ''ثوری'' کہتے تھے۔ ''ثور'' کہتے ہیں بیل کو۔ ہوا یوں کہ ایک دفعہ انہوں نے مسجد میں داخل ہونا تھا تو دائیں کے بجائے بایاں پاؤں پہلے مسجد میں رکھ دیا۔ آواز آئی: یَا ثَور! ''اے بیل!''۔ ان کو

اس وقت تو بے ہوشی ہوگئی، لیکن اس بات کو یاد رکھنے کے لیے اپنے آپ کو ''ثوری'' کہلوانا شروع کردیا۔ (تذکرۃ الاولیاء)

مشائخ عظام پر جلال الٰہی کا غلبہ:

ہمارے کئی مشائخ کے بارے میں لکھا ہے کہ جب وہ مسجد میں جاتے تھے تو اکیلے نہیں جاتے تھے، وہ دیکھتے تھے کہ مسجد میں جانے والے اور بھی ہیں کہ نہیں، وہ ان کے پیچھے چلتے تھے کہ جیسے ایک شہنشاہ کے سامنے پیش ہونا ہے، تو بجائے اس کے کہ میں اکیلا اس شہنشاہ کے سامنے پیش ہوں، میں دوسرے لوگوں کے پیچھے اپنے آپ کو پیش کروں۔ تو اللہ رب العزت کی عظمت، کبریائی اور جلال کا تعلق انسان کی نماز کے ساتھ ہے۔

حج میں صفتِ جمال کا غلبہ ہے:

اور ایک ہے اللہ تعالیٰ کا جمال۔ اس جمال کا تعلق حج کے ساتھ ہے کہ وہ پروردگار اتنا خوبصورت ہے، اسی کا حق بنتا ہے کہ انسان اس سے محبت کرے، لہٰذا تمام محبتوں کی انتہا اللہ کے لیے۔

فرمایا: میرے بندے! تم گورے ہو یا کالے ہو، عربی ہو یا عجمی ہو، موٹے ہو یا پتلے ہو، عالم ہو یا جاہل ہو، تم سب ہو تو میرے عاشق۔ اے اللہ! ہم حاضر ہیں۔ فرمایا: آؤ پھر سال میں ایک مرتبہ میرے گھر کی طرف، اپنے عشق اور اپنی محبت کا اظہار کرو۔ تو یہ حاجیوں کا مجمع عشاق کا مجمع ہوتا ہے۔

معلوم نہیں عشاق کیا کر رہے ہوں گے:

ہم نے ایک کتاب میں پڑھا کہ حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ جب انڈیا

میں تھے اور حج کے موقع پر نہیں تشریف لا سکتے تھے تو یہ ذی الحجہ کے دس دن ان کے لیے گزارنے مشکل ہو جاتے تھے۔ اکثر بیٹھے بیٹھے کہہ رہے ہوتے تھے: معلوم نہیں عشاق کیا کر رہے ہوں گے۔ کوئی طواف کر رہا ہوگا، کوئی حجرِ اسود کو بوسہ دے رہا ہوگا، کوئی مقامِ ابراہیم پر نفل پڑھ رہا ہوگا، پتہ نہیں وہ عرفات میں ہوں گے، یا منیٰ میں ہوں گے، یا مزدلفہ میں، معلوم نہیں عشاق کیا کر رہے ہوں گے۔

نسبت کی برکات:

تو یہ جتنے لوگ ہیں یہ اللہ کے چاہنے والے، اللہ سے محبت کرنے والے ہیں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے جمال کو دکھانے کے لیے اپنا گھر بنا دیا اور اس کو نسبت دے دی:

﴿أَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ﴾ (البقرۃ:۱۲۴)

یہ جو ''بَيْتِيَ'' (میرا گھر) کی نسبت ہے اس نے اس کی قیمت بڑھا دی۔ آپ دیکھیں! ایک گتہ گھر میں پڑا ہوا تھا، کوئی اٹھا کے دائیں رکھ دیتا تھا اور کوئی بائیں رکھ دیتا تھا، کوئی اوپر رکھ دیتا تھا اور کوئی نیچے رکھ دیتا تھا، فکر ہی نہیں تھی کسی کو، پھر کسی نے اس کو صاف کر کے قرآن پاک کی جلد بنا دیا۔ اب جلد بننے کے بعد اس گتے کی قیمت اتنی بڑھی کہ اس کو کوئی آدمی بے وضو ہاتھ نہیں لگا سکتا۔ اس کو ریشمی غلاف کے اندر ہم لپیٹ کے رکھتے ہیں، گتہ تو وہ ہی تھا بے قیمت سا، لیکن قرآن مجید کے ساتھ جڑنے کے بعد اب وہ قیمتی بن گیا۔ نسبت نے اس کو قیمتی بنا دیا۔

گھر تو یہ اینٹ گارے کا ہی بنا ہوا ہے، پتھر کا ہی بنا ہوا ہے، لیکن "بَيْتِيَ" کی نسبت نے اس گھر کی شان بڑھا دی۔ پھر اللہ رب العزت نے اپنی تجلیات ایسی اس گھر کے

اوپر ڈالیں کہ یہ گھر کھینچتا ہے۔ جیسے ایک مقناطیس کھینچتا ہے اسی طرح یہ بیت اللہ دلوں کا مقناطیس ہے، یہ دلوں کو کھینچتا ہے۔

ہر مسلمان کی تمنائے دل:

چنانچہ آپ غور کریں! کوئی بھی کلمہ پڑھنے والا ہو، چاہے گورا کالا، عجمی عربی، مرد ہو عورت ہو، امیر ہو غریب ہو، کھانے کو ملتا ہے یا نہیں ملتا، اس سے پوچھو کہ بھئی! آپ کے دل کی تمنا کیا ہے؟ وہ جواب دے گا: ''جی ایک دفعہ اللہ اپنا گھر دکھا دے۔'' تو ایک تمنا ہر دل میں ہے۔

بیت اللہ.....دلوں کا مقناطیس:

اس کی کیا وجہ ہے کہ زیارتِ بیت اللہ ہر شخص کے دل کی تمنا ہے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ بیت اللہ دلوں کو کھینچتا ہے، لہٰذا لوگ پوری دنیا سے کھنچے ہوئے آتے ہیں اور پھر دیکھو! جب مکہ مکرمہ پہنچتے ہیں تو پھر ہوٹل میں نہیں رک سکتے، تھکے ہوئے آتے ہیں اور پھر کہتے ہیں کہ چلو جی عمرہ کر کے آتے ہیں۔ بھئی! سو لو آرام کر لو، کہتے ہیں: نہیں جی عمرہ کرتے ہیں۔ اچھا جب عمرہ کرنے آتے ہیں تو پھر مسجد میں نہیں رک سکتے، مطاف میں جاتے ہیں۔ اچھا مطاف میں نہیں رک سکتے، پھر کیا کرتے ہیں؟ طواف کرتے ہیں۔ طواف میں بھی نہیں رک سکتے، بلکہ پھر ملتزم پر لپٹ جاتے ہیں۔ جیسے مقناطیس کے ساتھ لوہا چپک جاتا ہے اسی طرح یہ اللہ کا بندہ اللہ کے گھر کے ساتھ چپک گیا۔ تو یہ جمال کی تجلیات تھیں جنہوں نے اس بندے کو اپنی طرف کھینچ لیا۔

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام ہجرت کے لیے روانہ ہونے سے پہلے چاہتے تھے کہ بیت اللہ کے اندر

داخل ہوں، مگر جب داخل نہ ہو سکے کہ کھولنے والے نے دروازہ کھولا نہیں تھا، تو نبی ﷺ جب جانے لگے تو مبارک آنکھوں میں آنسو تھے اور فرمایا: اے بیت اللہ! میرے بس میں ہوتا تو میں تجھے کبھی نہ چھوڑتا، اس شہر کے رہنے والے مجھے یہاں رہنے نہیں دیتے۔

اللہ کے حبیب ﷺ اتنی محبت فرماتے تھے۔ تو نماز جو ہے وہ اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی کا ظہور ہے اور حج جو ہے یہ اللہ تعالیٰ کے جمال کا ظہور ہے۔

حج کا درجہ نماز سے بلند کیوں؟

دو ہی صفتیں تھیں اور پھر دونوں صفتوں میں دو ہی عبادتیں بنیں: ایک نماز بنی اور ایک حج بنی اور اگر ان میں بھی تقابل کریں تو حج کے موقع پر نماز کو بھی حج کے تابع کر دیا گیا، تو اصل عبادت جو بنی وہ حج بنی۔

اب حج کا درجہ بلند کیوں رکھا گیا؟ اس لیے کہ نماز ہمیں اجتماعیت سکھاتی ہے، ایک بننا سکھاتی ہے۔ آپ غور کریں کہ جو اجتماعیت حج میں ہے وہ نماز میں نہیں ہے۔ نماز میں اجتماعیت ہے علاقائی۔ مثال کے طور پر: پانچ نمازیں اپنے محلے کی مسجد میں پڑھو اور جمعہ جامع مسجد میں پڑھو اور عید کی نماز شہری سطح پر پڑھو۔ تو نماز نے جمع کر دیا، مگر شہر کی سطح پر کیا، ایسا تو نہیں ہو سکتا کہ مختلف شہروں کے لوگ ایک جگہ اکٹھے ہو کر عید پڑھیں۔ تو اجتماعیت نماز نے بھی سکھائی، مگر کیسی سکھائی؟ کہ جو علاقائی تھی۔ اور اجتماعیت حج نے بھی سکھائی، لیکن وہ ایسی اجتماعیت ہے جو آفاقی بنی۔ ایک شہر کے نہیں، ایک صوبے کے نہیں، ایک ملک کے نہیں، سبحان اللہ! کیا مشرق اور کیا

مغرب، کیا شمال اور کیا جنوب۔

﴿یَاْتِیْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ﴾ (الحج:۲۷)

آتے ہیں، کوئی سوار ہوکر آتے ہیں اور کوئی پیدل آتا ہے، ماشاء اللہ! آج آپ اس مجمع کو دیکھ ہی رہے ہیں کہ پوری دنیا کے لوگوں میں سے چنا ہوا مجمع ہے۔ تو حج نے آفاقی اجتماعیت سکھائی۔ اس لیے حج نے اجتماعیت کا بڑا پیغام دیا۔

ہر ماں باپ کے دل کی تمنا:

اگر آپ غور کریں کہ ماں باپ کی اگر اولاد ہو تو ان کی بڑی تمنا یہ ہوتی ہے کہ یہ سب آپس میں پیار محبت سے رہیں، ان کی خواہش ہی یہ ہوتی ہے۔ بڑی سر دردی ہوتی ہے اگر دو بہنوں کی نہ بنے، دو بھائیوں کی نہ بنے، بہن بھائی کی نہ بنے۔ ماں باپ کو کوئی ایک ٹینشن ہوتی ہے! ان کی خواہش یہ ہوتی ہے کہ یہ سب آپس میں محبت سے رہیں۔ تو جیسے چھوٹی سی فیملی کا سربراہ یہ چاہتا ہے کہ یہ ایک بن کے رہیں تو جس پروردگار نے ساری مخلوق کو پیدا کیا وہ بھی تو یہ چاہتا ہے کہ یہ ایک بن کے رہیں۔ یہ سارے ہی تو اس کے بندے ہیں۔ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((اَلْخَلْقُ عِیَالُ اللّٰهِ، فَاَحَبُّ الْخَلْقِ اِلَی اللّٰهِ مَنْ اَحْسَنَ اِلٰی عِیَالِهٖ))

(شعب الایمان، حدیث:۷۴۴۸)

''ساری مخلوق اللہ کا کنبہ ہے اور اللہ کا سب سے پیارا بندہ وہ ہے جو اس کے کنبے کے ساتھ اچھا سلوک کرتا ہے۔''

تو شریعت نے اجتماعیت سکھائی اور فرمایا کہ دیکھو! تم ایک بن کے رہو، آپس میں بھائی بھائی بن کے رہو، محبت پیار سے رہو، یہ چیز ہمیں سب سے زیادہ محبوب ہے۔

تین باتیں....لب لباب:

اب تین باتیں لب لباب بنیں: ایک کلمہ، جو پیمانِ وفا بنا، اور ایک نماز، جس نے انسان کو عاجزی سکھائی، اور ایک حج، جس نے انسان کو اللہ کی محبت سکھائی اور اجتماعیت سکھائی۔ تو شریعت کا اگر نچوڑ نکالا جائے تو تین چیزیں بنتی ہیں، اللہ سے پیمانِ وفا، اللہ سے اتنی محبت ہو کہ مخلوق کی سب محبتیں پیچھے رہ جائیں۔ اس کے بارے میں فرمایا:

﴿قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ﴾ (التوبۃ:۲۴)

محبت سب سے زیادہ اللہ کی ہو، یہ ایمان کا تقاضا ہے اور انسان اپنے آپ کو مٹا دے اور پامال کر دے اللہ کے سامنے، یہ نماز کا تقاضا ہے اور انسان ایک بن کے رہے اور کسی کی دل آزاری نہ کرے، یہ حج کا تقاضا ہے۔ جس بندے کے اندر یہ تین صفتیں آگئیں تو سمجھیں کہ اس نے دین اسلام کے رنگ میں اپنے آپ کو رنگ لیا۔ اور انسان کے اندر عاجزی کی انتہا ہو، یہ نماز کا تقاضا ہے اور انسان کسی کی دل آزاری نہ کرے، یہ حج کا تقاضہ ہے، اسی لیے فرمایا:

﴿فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ﴾ (البقرۃ:۱۹۷)

کیوں کہ رفث، فسوق اور جدال دل آزاری کا ذریعہ بنتے ہیں، اسی لیے ان کو منع کر دیا۔ تو دین اسلام کا نچوڑ تین چیزیں ہوئیں: سب سے زیادہ محبت ہو اللہ کی۔ اور انسان اپنے آپ کو اتنا پامال کرے کہ سجدے میں سر جھکا دے، تو فرمایا: یہ میرا سب

سے زیادہ مقرب بندہ ہے، یہ سب سے زیادہ میرے قرب میں ہے۔ اور عاجزی کی انتہا کہ اپنے آپ کو مٹا دے، یہ نماز سکھاتی ہے۔ جس بندے نے ان تین پیغاموں کو سیکھ لیا اس نے پورے دین کو سیکھ لیا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں پوری شریعت کو سیکھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ
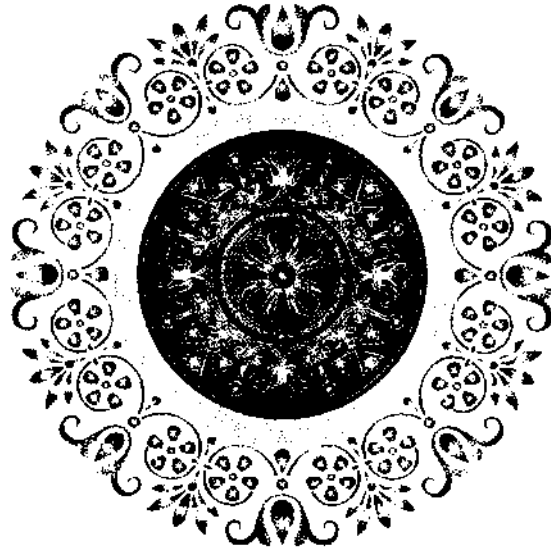
مقبول بندوں

کا گھرانہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ کَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۝ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

﴿وَاِذِ ابْتَلٰٓی اِبْرٰھٖمَ رَبُّہٗ بِکَلِمٰتٍ فَاَتَمَّھُنَّ قَالَ اِنِّیْ جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَامًا﴾ (البقرۃ:۱۲۴)

سُبْحٰنَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْنَ ۝ وَسَلٰمٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ ۝ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ

آیت مبارکہ کی تشریح:

﴿وَاِذِ ابْتَلٰٓی اِبْرٰھٖمَ رَبُّہٗ بِکَلِمٰتٍ﴾

”یاد کرو اس وقت کو جب امتحان لیا ابراہیم (علیہ السلام) کا ان کے پروردگار نے چند باتوں کا۔“

اس آیت مبارکہ میں ابراہیم علیہ السلام پر آنے والے امتحانات کا تذکرہ ہے، یہ امتحان ایسے تھے کہ جس کے نتیجے میں فرمایا:

﴿اِنِّیْ جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَامًا﴾ ”میں آپ کو انسانوں کا امام بناتا ہوں۔“

ایک اشکال کا جواب:

یہاں پر ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تو علیم ہیں، ہر چیز کو جانتے ہیں، جو ہوگا، جو ہو چکا اور جو ہو رہا ہے سب اللہ تعالیٰ کو پتہ ہے تو پھر امتحان لینے کا کیا مقصد؟ تو مفسرین نے اس کا جواب دیا کہ ان امتحانات سے مقصود ابراہیم علیہ السلام کی تربیت تھی۔ انسان جب کمال کو پہنچتا ہے تو وہ سیکھ سیکھ کر تربیت پا کر پھر کمال کو پہنچتا ہے۔ جیسے بیج اگر زمین میں ڈالا جائے تو پہلے وہ پودا بنتا ہے پھر بڑا ہو کر درخت بنتا ہے، اسی طرح انسان کمال تک پہنچنے کے لیے تربیت کا محتاج ہوتا ہے۔ اب انبیا کی تربیت اللہ رب العزت فرماتے ہیں اور انسانوں کی تربیت انبیا علیہم السلام فرماتے ہیں۔ اسی لیے نبی علیہ السلام کی تربیت رب کریم نے فرمائی اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی تربیت نبی علیہ السلام نے فرمائی۔

ایک نکتہ:

قرآن مجید میں اللہ رب العزت نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو ''لِمَ'' کے لفظ سے خطاب کیا۔ ''لِمَ'' کا مطلب ہوتا ہے: ''کیوں''۔ یہ ''کیوں'' کا لفظ تربیت ہے، بتانا مقصد ہے، سمجھانا مقصد ہے۔ مثلاً:

﴿عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ﴾

اسی طرح فرمایا:

﴿يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ﴾

یہاں ''لِمَ'' کا لفظ استعمال ہوا، یہ تربیت ہوتی ہے۔ یہ ''لِمَ'' کا لفظ قرآن مجید میں نبی علیہ السلام کے لیے بھی استعمال ہوا اور ایمان والوں کے لیے بھی استعمال ہوا، مگر ایک

فرق کے ساتھ: جہاں نبی علیہ السلام کے لیے استعمال ہوا وہاں اس سے پہلے مغفرت کا تذکرہ ہے یا اس کے بعد مغفرت کا تذکرہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کو پتہ تھا کہ میرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کا قلب مبارک اس لفظ کے بوجھ کا متحمل نہیں ہو سکے گا۔ اس لیے جب پہلی مرتبہ فرمایا تو ساتھ ہی مغفرت کا تذکرہ فرمایا، مثال کے طور پر:

﴿عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ﴾

یہاں مغفرت کا تذکرہ پہلے۔ اور فرمایا:

﴿يَآ اَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ تَبْتَغِيْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾

یہاں مغفرت کا تذکرہ بعد میں ہے، لیکن جب ایمان والوں کے لیے استعمال ہوا تو وہاں مغفرت کا تذکرہ نہیں ہے۔ مقصد کیا تھا؟ کہ بات مانو گے تو تمہیں معاف کر دیا جائے گا۔ چنانچہ فرمایا:

﴿يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ﴾

دیکھیں! ''لِمَ'' کا لفظ استعمال ہوا، لیکن شاہانہ خطاب ہے۔ پھر فرمایا:

﴿كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ﴾

انبیاء کے مربی اللہ رب العزت اور انبیاء آگے امت کے مربی ہوا کرتے ہیں۔ جو امتحان اللہ نے ابراہیم علیہ السلام سے لیا وہ آزمائش کے لیے نہیں تھا، بلکہ ابراہیم علیہ السلام کی تربیت کے لیے تھا، ان کو ایسے حالات میں سے گزارنا تھا، تاکہ ان کی شخصیت کے اندر جو پوشیدہ صفات ہیں وہ کھل کے سامنے آ جائیں، نقطۂ کمال تک پہنچ جائیں، اس لیے امتحان لیا۔

چنانچہ ''رَبُّہٗ'' کا لفظ بتا رہا ہے کہ تربیت مقصود تھی، ورنہ اللہ تعالیٰ اپنا کوئی اور نام استعمال فرمالیتے۔ ''رب'' کا لفظ استعمال کرنا تربیت کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ اس امتحان سے تربیت مقصود ہے۔

دوسرا نکتہ:

پھر اس جملے میں جس کی تربیت کرنا مقصود ہے اس کا تذکرہ پہلے ہے اور مربی کا تذکرہ بعد میں ہے۔ چنانچہ ابراہیم علیہ السلام کا نام پہلے اور اللہ کا نام بعد میں، کیوں؟ اس لیے کہ ابراہیم علیہ السلام کی تربیت کو اجاگر کرنا مقصود تھا، اس لیے ان کا تذکرہ پہلے کر دیا گیا۔ پھر یہاں پر مفسرین نے اس کی بڑی تفصیل لکھی، بعض نے کہا کہ ''سورۃ براءت'' کی آیت:

﴿اَلتَّآئِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ الْحٰمِدُوْنَ﴾

میں ان کا تذکرہ ہے۔ اور بعض نے کہا کہ ''سورۃ الاحزاب'' کی آیت

﴿اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ وَالْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ﴾

میں ان کا تذکرہ ہے۔ تاہم جو بھی تھا، وہ امتحان تھا۔

﴿فَاَتَمَّهُنَّ﴾

''ابراہیم علیہ السلام اس میں سو فیصد کامیاب ہوئے۔''

فَاَتَمَّهُنَّ کا مطلب ہے: ''مائة في المائة'' یعنی ابراہیم علیہ السلام نے سو میں سے سو نمبر لے کر امتحان پاس کر لیا، اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَاِبْرٰهِيْمَ الَّذِيْ وَفّٰۤى﴾

''اور ابراہیم وفادار تھے۔''

ابراہیم علیہ السلام نے سو میں سے سو نمبر لے کر امتحان پاس کیا، رب کریم نے فرمایا:

﴿اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا﴾

''(اے ابراہیم!) میں آپ کو انسانوں کا امام بناتا ہوں۔''

منصب امامت اس امتحان میں کامیاب ہونے پر ملا ۔اس کا مطلب یہ کہ انسان جب مجاہدوں میں سے گزرتا ہے تب مشاہدے کا مقام پاتا ہے۔ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے ''خلّة'' کی خلعت عطا فرمائی، اپنا خلیل بنالیا۔ چنانچہ جتنے بڑے ادیان ہیں ان تمام ادیان اور مذاہب والوں کے نزدیک ابراہیم علیہ السلام معزز شخصیت ہیں، عیسائی ہوں، یہودی ہوں، مسلمان ہوں، تینوں کے نزدیک بہت ہی معزز شخصیت ہیں، اللہ نے ان کو ایسا منصب امامت عطا فرمایا تھا۔ جب ابراہیم علیہ السلام کو منصب امامت عطا کر دیا گیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا﴾

ابراہیم علیہ السلام نے عرض کیا:

﴿وَمِنْ ذُرِّيَّتِیْ﴾

''اے اللہ! میری اولاد میں سے۔''

ایک اصول بتادیا:

﴿لَا يَنَالُ عَهْدِی الظّٰلِمِيْنَ﴾

''جو ظالم لوگ ہوں گے ان کے لیے میرا یہ وعدہ ہرگز نہیں۔''

یہ وعدہ تو اوروں کے لیے ہے۔

تین نادر امتحان

پہلا امتحان:

ابراہیم علیہ السلام کے اوپر چند امتحانات بہت نادر آئے۔ ایک امتحان یہ آیا کہ ان کو دین حنیف کی تبلیغ کا حکم ہوا۔ ان کا چچا آذر بت فروش تھا، بت بناتا تھا اور پھر بیچتا تھا۔ اب جس گھر میں بت بک رہے ہیں، اس گھر میں ایک بچہ جوانی کی عمر کو پہنچتا ہے اور اسے توحید کا پیغام پہنچانے کی تلقین ہوتی ہے، یہ کتنا مشکل کام ہے! اور وہی ہوا کہ ابراہیم علیہ السلام نے اپنے چچا کے سامنے توحید کی بات کی، مگر مزے کی بات یہ ہے کہ انہوں نے اس بات چیت میں بے ادبی نہیں کی، انہوں نے اپنا چھوٹا پن سامنے رکھا کہ میں بالآخر ان کا بیٹا ہوں، تو فرمایا:

﴿يَآأَبَتِ﴾

''اے میرے ابا جان!''

محبت دیکھیے! کہ وہ تو مشرک ہیں، مگر دعوت دیتے ہوئے جب تک الفاظ میں مٹھاس نہیں ہوگی اس وقت تک دوسرے بندے کا دل مطمئن نہیں ہوسکتا۔

ہمارے لیے ایک اہم سبق:

ہم ذرا سبق سیکھیں! ہم نے دیکھا ہے کہ جب نیک لوگ اس راستے پر آتے ہیں تو گھر میں جب وہ تبلیغ کرتے ہیں تو بڑی عجیب بات یہ ہے کہ وہ سمجھتے ہیں کہ بس پورا دین ایک دن کے اندر نافذ ہوجائے۔ اور بیٹا بھی ایسا، جوان بیٹا ہے اور اس عمر میں سونے کی عادت بھی ہوتی ہے۔ تو بجائے اس کے کہ اس کو پیار سے دین کی لائن پہ لائیں، اس کو اگر

ایک دفعہ آواز دی اور وہ کروٹ بدل کر ایک دفعہ پھر سو گیا تو کہتے ہیں:

”تمہیں کہا نہیں تھا کہ سبق پڑھنا ہے، شرم نہیں آتی، مردار! کھاتے ہو اور سوتے رہتے ہو۔“

یہ ہم اپنے بیٹے کو دین کی طرف بلا رہے ہیں، ان الفاظ کے ساتھ کہ تم مردار ہو، تم سوئے پڑے ہو۔ اس طرح بیٹا دین کے قریب ہوگا یا دور ہوگا؟

اور یہی حال بیویوں کے بارے میں ہے۔ کہتے ہیں: تمہیں سمجھا نہیں دیا؟ تم سنتی نہیں ہو؟ تم نے مرنا نہیں؟ قبر میں نہیں جانا؟ بھئی! اپنائیت کہاں گئی؟ وہ مٹھاس کہاں گئی؟ اور دوسرے کا دل موہ لینے والی بات تو ختم ہی ہو گئی ہے! ایسے تو غیر کو بھی نہیں کہا جاتا۔ قرآن مجید ہمیں ایک سبق دے رہا ہے، ہم جن سے بات کر رہے ہوتے ہیں وہ کلمہ پڑھنے والے ہوتے ہیں، وہ اللہ کی توحید کا اقرار کرنے والے، عبادت کا اعتراف کرنے والے ہوتے ہیں، مسلمان ہوتے ہیں۔ اور ابراہیم علیہ السلام جس سے بات کر رہے تھے وہ تو بت فروش تھا، وہ تو مشرک تھا، مگر کیا کہتے ہیں؟

﴿يٰٓاَبَتِ﴾

”اے میرے ابا جان!“

کاش کہ ہمیں بھی یہ صفات نصیب ہو جائیں! اہل خانہ کے ساتھ، دوست احباب کے ساتھ گفتگو کرتے ہوئے ہمارے الفاظ میں بھی ایسی محبت پیدا کرنے والی صفات شامل ہو جائیں۔

ایک نکتے کی بات:

چنانچہ فرمایا:

﴿اِنِّيْٓ اَرٰىكَ وَقَوْمَكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ﴾

اب ذرا غور کیجیے! یہاں ایک نکتے کی بات ہے۔ایک طرف تو کہہ رہے ہیں:

﴿یٰٓاَبَتِ﴾

''اے میرے ابا جان!''

یہاں محبت کا اظہار ہے، لیکن دوسری طرف الفاظ میں سختی کے ساتھ اپنے موقف کو پیش کر رہے ہیں۔

﴿اِنِّیْٓ اَرٰکَ وَقَوْمَکَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ﴾

یہ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ کا لفظ بتلا رہا ہے کہ موقف سے پیچھے نہیں ہٹے، یہ نہیں ہے کہ یہ محبت اپنے موقف میں نرمی پیدا کرنے کے لیے مجبور کر رہی ہے، جو حق ہے اس کے اوپر کھڑے ہیں، اگر ہمیں بھی بات کرنی ہو تو الفاظ نرم ہوں، مگر مقصد پورا پہنچا دیا جائے۔

ابراہیم علیہ السلام کی دعوتِ دین پر استقامت:

چنانچہ ابراہیم علیہ السلام کا معاملہ ایسا ہوا کہ گھر سے نکال دیا گیا، گھر چھوڑ دینا کوئی چھوٹی قربانی نہیں ہوا کرتی، بلکہ بڑی قربانی ہوتی ہے، مگر ابراہیم علیہ السلام اپنی بات پہ جمے رہے۔انہوں نے اپنی قوم کو بھی توحید کی طرف بلانا شروع کر دیا، ان کو سمجھاتے کہ بھئی دیکھو! تم ان بتوں کو پکارتے ہو، کوئی مٹی کا خدا، کوئی پتھر کا خدا، کوئی لوہے کا خدا، کوئی پتلا خدا، کوئی موٹا خدا، سب جھوٹے خدا، چھوڑو ان کو، ایک اللہ کی پرستش کرو۔قوم ایک کان سے سنتی دوسرے سے نکال دیتی۔

اب ان کی ایک سالانہ تقریب ہوتی تھی اور انہوں نے ابراہیم علیہ السلام کو کہا کہ آپ بھی ساتھ چلیں، مگر ان کی طبیعت ان کے برے افعال کو گوارا نہیں کر سکتی تھی۔جیسے اگر

کسی انسان کی طبیعت کسی کام سے بےزار ہو تو کہتا ہے کہ یار! میری طبیعت ٹھیک نہیں، تو ابراہیم علیہ السلام نے بھی اس انداز میں کہا کہ میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے، آپ لوگ جاؤ۔ وہ چلے گئے، اب دیکھیے! ابراہیم علیہ السلام نے ایک عجیب کام کیا کہ کلہاڑا لیا اور جتنے بت تھے

﴿فَجَعَلَهُمْ جُذٰذًا﴾

''ان کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے۔''

﴿اِلَّا كَبِيْرًا لَّهُمْ﴾

''اور بڑے کو چھوڑ دیا۔''

قوم آئی تو انہوں نے دیکھا کہ ہمارے خداؤں کے ٹکڑے ٹکڑے ہوئے پڑے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ یہ کس نے کیا؟ لوگوں نے کہا:

﴿اِنَّا سَمِعْنَا فَتًى يَّذْكُرُهُمْ يُقَالُ لَهٗۤ اِبْرٰهِيْمُ﴾

''ہم نے ایک نوجوان کے بارے میں سنا ہے کہ وہ بتوں کے بارے میں باتیں کرتا تھا (اور ناپسندیدگی کا اظہار کرتا تھا) اس کو ابراہیم کہتے ہیں۔''

اور یہ کام اسی نے کیا ہے۔ ابراہیم علیہ السلام سے پوچھا گیا، انہوں نے فرمایا کہ بھئی! بتوں کو کسی نے کلہاڑے سے توڑا ہے؟ کہنے لگے: جی! کلہاڑے سے۔ تو وہ برآمد ہوا؟ جی! وہ بڑے بت کے کندھے پر تھا۔ تو بھئی! آلہ جس سے برآمد ہو ذمہ دار بھی وہی ہوتا ہے، تو بڑے بت سے پوچھو۔ کہنے لگے: وہ تو بول ہی نہیں سکتا۔ ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: جو بول ہی نہیں سکتا تو پھر تم اسے خدا کیوں مانتے ہو؟ اب قوم ظاہر میں تو لاجواب ہوگئی۔

اساتذہ کے لیے ایک اہم سبق:

اصول ہے کہ جب بندہ لاجواب ہوجاتا ہے تولڑنے پر آمادہ ہوجاتا ہے۔ جب زبانی طور پر بات کو سمجھانے سے، پہنچانے سے اپنی شکست تسلیم کرلیتا ہے تو پھر ہاتھ اٹھاتا ہے۔ یاد رکھیں! جو اساتذہ بچوں کو پڑھاتے ہیں وہ ہاتھ اٹھاتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ انہوں نے تسلیم کرلیا کہ وہ بچوں کو زبان سے سمجھانے سے قاصر ہیں، شکست کھا گئے۔ ہم نے اس مرتبہ اصول بنایا کہ قاری صاحب جو ہیں وہ قہاری صاحب نہیں بنیں گے، لہذا بچوں کو مارنا نہیں، سمجھانا ہے۔ ہمیں پتہ چلا کہ ہم نے ان کے ڈنڈے وغیرہ تو ہٹوادیے، لیکن تھپڑ مکے تو تھے ہی سہی، پھر پتہ چلا کہ قاری صاحب نے پانی کے پائپ کا ایک ٹکڑا مصلے کے نیچے چھپا کے رکھا ہوا ہے اور جب غصہ آتا ہے تو وہ پائپ نکال کے اس سے بچے کی پٹائی کرتے ہیں۔

اس عاجز کو مدرسے میں جانے کا موقع ملا۔ پوچھا کہ قاری صاحب! آپ ایسا کیوں کرتے ہیں؟ کہنے لگے کہ کیا کریں ایک وقت تھا کہ یہ دیکھنے سے ہی سمجھ لیتے تھے پھر وقت آیا کہ تھپڑ مارنے سے ہی سمجھ جاتے تھے پھر وقت آیا کہ ڈنڈا مارنے سے ہی سمجھ جاتے تھے اور اب تو ڈنڈے سے بھی نہیں سمجھتے۔ میں نے کہا: اب ان کو گولی ماریں۔ پھر میں نے کہا کہ قاری صاحب! آپ کو رمضان میں قرآن مجید سناتے ہوئے اتنا عرصہ ہوگیا ہے، ابھی میں آپ سے کسی جگہ سے بھی دو رکوع سن لیتا ہوں، تو اگر آپ کی غلطی آگئی تو پھر کیا ہوگا؟ کیا آپ کے بھی جوتے لگادیں؟ کہنے لگے کہ غلطی تو آہی جاتی ہے۔ تو میں نے کہا کہ بچے کے ساتھ بھی تو یہی معاملہ ہے۔ بھئی! جب بچے کے اوپر خوف ہوگا تو جو یاد ہوگا وہ بھی بھول جائے گا۔ یہ بات ذہن میں رکھیں کہ انسان

جب شکست تسلیم کر لیتا ہے کہ میں بات کر کے نہیں سمجھا سکتا پھر ہاتھ اٹھاتا ہے۔

ابراہیم علیہ السلام کا توکل:

اب جب قوم شکست کھا گئی تو کہنے لگی:

﴿حَرِّقُوْهُ﴾

''اس بندے کو زندہ جلا دو۔''

﴿وَانْصُرُوْٓا اٰلِهَتَكُمْ﴾ (الانبیاء:٦٨)

''اپنے معبودوں کی مدد کرو۔''

چنانچہ اتنی لکڑیاں جمع کی گئیں کہ وہ جگہ پہاڑ کے مانند بن گئی، پھر آگ جلائی گئی، کوئی قریب نہیں جاتا تھا۔ ابراہیم علیہ السلام کو ایک جھولے میں بٹھایا گیا کہ دور سے پھینک دیا جائے گا۔ جب ڈالا جارہا تھا تو جبریل علیہ السلام نے اللہ رب العزت سے عرض کیا کہ پروردگار عالم! میرے ذمہ آپ نے انبیاء علیہم السلام کی مدد کا کام بھی لگایا تھا اور یہ آپ کے خلیل آگ میں ڈالے جارہے ہیں، کیا میں ان کی مدد کروں؟ فرمایا: ہاں! قبول کرتا ہے تو کرو۔ تو جبریل علیہ السلام ابراہیم علیہ السلام کے پاس اس وقت آئے جب وہ ابھی ہوا میں تھے اور پوچھا:

((اَلَکَ حَاجَةٌ؟))

''کیا آپ کو (میری) کوئی ضرورت ہے؟''

ابراہیم علیہ السلام نے جواب میں پوچھا کہ کیا میرے پروردگار کو میری اس ساری صورتحال کا علم ہے؟ تو جبریل علیہ السلام نے کہا: ہاں! ۔ فرمایا:

((حَسْبِی مِنْ سُوَالِی عِلْمُهٗ بِحَالِی)) (تفسیر روح البیان: ۳۸۲/۵ سورۃ الانبیاء)

''میرے رب کو جب میرے حال کا پتہ ہے تو اس نے مجھے تم سے سوال کرنے سے منع کر دیا۔''

وہ جانتا ہے کہ میں کس حال میں ہوں تو مجھے تمہاری کیا ضرورت؟ سبحان اللہ! اللہ پر توکل ہو اور یقین ہو تو پھر ایسا! جب ابراہیم علیہ السلام نے جبریل علیہ السلام کو بھی ''ناں'' کر دی تو اللہ نے فرمایا:

﴿یٰنَارُ كُوْنِیْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰۤى اِبْرٰهِیْمَ﴾ (الانبیاء:۶۹)

''اے آگ! تو میرے ابراہیم پر ٹھنڈی اور سلامتی والی بن جا۔''

دوستی کا حق بھی تو نبھانا ہے:

ابراہیم علیہ السلام آگ میں تقریباً چالیس دن رہے۔ اور ان چالیس دنوں میں ایک چڑیا اپنی چونچ میں پانی لے جاتی تھی اور اس آگ کے اوپر وہ پانی کا قطرہ ڈال کر واپس آتی تھی۔ کسی نے پوچھا: تیرے اس پانی کے قطرے سے آگ تو نہیں بجھے گی تو پھر کیوں ڈال رہی ہے؟ چڑیا نے جواب دیا: یہ تو میں بھی سمجھتی ہوں کہ آگ نہیں بجھے گی، لیکن ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ دوستی کا حق بھی تو نبھانا ہے۔

جو دین کی دعوت کا کام کرنے والے لوگ ہیں ان کی مثال آج کے دور میں ایسی ہے، وہ سمجھتے ہیں کہ یہ عریانی، فحاشی کا طوفان ہم ختم تو نہیں کر سکتے، لیکن نبی علیہ السلام کی غلامی کا حق بھی تو نبھانا ہے۔

ابراہیم علیہ السلام کی زندگی کا بہترین دن:

ابراہیم علیہ السلام سے کسی نے پوچھا تھا کہ آپ کی زندگی کا بہترین دن کون سا ہے؟ تو

فرمایا: جو دن نمرود کی آگ میں گزارے اس سے بہتر دن میں نے زندگی میں اور نہیں گزارے۔ تو یہ پہلا امتحان ہے۔

دوسرا امتحان:

اور دوسرا امتحان: کہ وطن اصلی تو تھا عراق اور ابراہیم علیہ السلام کو حکم ہوا کہ اپنی بیوی سارہ کو لے کر شام کی طرف ہجرت کریں۔ اب اپنی بیوی سارہ کو لے کر ہجرت کی، اللہ کی شان کہ درمیان میں ایک عجیب امتحان آیا کہ ایک بادشاہ تھا جو بدکار تھا اور اس نے پولیس کو کہا ہوا تھا کہ تمہیں جہاں خوبصورت عورت ملے اس کو میرے پاس پہنچاؤ، تاکہ میرے ساتھ وقت گزارے، بی بی سارہ کو اللہ نے بہت زیادہ حسن و جمال دیا تھا، چنانچہ پولیس پکڑ کے لے گئی، اس بدکار شخص نے جب بدکاری کی نیت سے قدم اٹھایا تو اس کے جسم کے اعضاء شل ہو گئے اور اس کے اوپر ایک خوف طاری ہو گیا اور وہ سمجھ گیا کہ یہاں معاملہ کچھ دوسرا ہے۔ چنانچہ اس نے بی بی سارہ کو بھی آزاد کر دیا اور بی بی ہاجرہ کو ان کی خادمہ بنا دیا کہ آپ جائیں اور میری طرف سے ایک خادمہ لے کر جائیں۔ تو بی بی سارہ واپس لوٹیں، اللہ نے ان کی حفاظت بھی فرمادی اور ان کو ہاجرہ بھی عطا فرمادی۔ اب انہوں نے بی بی ہاجرہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دے دی۔

اللہ کی شان کہ بی بی ہاجرہ سے ایک بیٹا پیدا ہوا، بچہ ہے، چھوٹا ہے، ابراہیم علیہ السلام کو پھر حکم ہوا کہ اب ان کو آپ مکہ مکرمہ (بِوَادٍ غَيْرِ ذِي زَرْعٍ) میں چھوڑ کر آئیں۔ اس طرح اپنے بیوی بچوں کو بے آباد جگہ پر چھوڑ کر آنا بہت مشکل امتحان ہوتا ہے، یہ بہت بڑی بات ہے، چنانچہ وہ اپنے بچے کو لے کر آئے اور بیوی کو یہاں بیت اللہ کے قریب چھوڑا اور جا رہے ہیں، اب بیوی نے پوچھا کہ آپ ہمیں چھوڑ کے کیوں جا رہے ہیں؟

وہ خاموش، پھر پوچھا: کیوں جارہے ہیں؟ پھر خاموش، تیسری مرتبہ پوچھا کہ کیا آپ اللہ کے حکم سے چھوڑ کے جارہے ہیں؟ ابراہیم علیہ السلام نے سر ہلا کے دکھا دیا کہ ہاں! میں اللہ کے حکم سے چھوڑ کے جارہا ہوں۔ اس پر بی بی ہاجرہ نے کہا: اچھا! اگر آپ ہمیں اللہ کے حکم سے چھوڑ کے جارہے ہیں تو اللہ تعالیٰ ہمیں ضائع نہیں فرمائیں گے۔ اللہ کے وعدوں پر ایمان تھا، یقین تھا۔

بی بی ہاجرہ کی یہ بات پڑھ کر دل خوش ہوجاتا ہے... اللہ تعالیٰ ہمارے گھر کی عورتوں کو بھی اپنے وعدوں پر ایسا یقین عطا فرمادے، ایسا صبر کا مقام عطا فرمادے... ہم اپنے گھروں میں نہیں دیکھتے کہ ہمارے بچے ہماری آنکھوں کے سامنے کھیلتے پھر رہے ہوتے ہیں، چند لمحے نظروں سے اگر اوجھل ہوجائیں تو کہتے ہیں: جی کہاں گئے؟ اور ابراہیم علیہ السلام کو کہا گیا کہ ان کو وہاں چھوڑ کے آؤ اور اس جگہ پر پانی نہیں تھا، چور ڈاکو کا بھی خطرہ تھا، جانور کا بھی خطرہ تھا، عزت کے لٹیرے بھی آسکتے تھے اور جان کے لٹیرے بھی آسکتے تھے۔ اور پینے اور کھانے کو یہاں کوئی چیز نہیں تھی۔ اب بیوی اور بچے کو اکیلا چھوڑ کے جانا، ابراہیم علیہ السلام کے لیے کتنے بڑے غم کی بات تھی؟ الفاظ میں بیان نہیں کیا جاسکتا۔ اس لیے ابراہیم علیہ السلام وہاں سے تو چل دیے، لیکن جیسے ہی پہاڑ کی اوٹ میں پہنچے تو وہاں جا کے اللہ سے دعائیں مانگنی شروع کردیں:

﴿رَبَّنَآ اِنِّیۡۤ اَسۡكَنۡتُ مِنۡ ذُرِّیَّتِیۡ بِوَادٍ غَیۡرِ ذِیۡ زَرۡعٍ عِنۡدَ بَیۡتِكَ الۡمُحَرَّمِ ۙ رَبَّنَا لِیُقِیۡمُوا الصَّلٰوةَ فَاجۡعَلۡ اَفۡـِٕدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهۡوِیۡۤ اِلَیۡهِمۡ وَارۡزُقۡهُمۡ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمۡ یَشۡكُرُوۡنَ﴾ (ابراہیم:۳۷)

دل میں غم تو ہوتا ہی ہے، اب اللہ سے دعائیں مانگیں، اللہ نے وہ دعائیں قبول فرما لیں۔ ان دعاؤں میں انہوں نے ایک دعا یہ مانگی کہ اے اللہ! اس شہر کو امن والا بنا دے، اللہ نے امن والا بنا دیا۔ ایک دعا مانگی کہ یہاں پھل پہنچا دیجیے، اللہ نے فرمایا:

﴿يُجْبٰٓى اِلَيْهِ ثَمَرٰتُ كُلِّ شَيْءٍ﴾ (القصص:۵۷)

''ہر چیز کا پھل یہاں پہنچ جائے گا۔''

دین دار اور بے دین لوگوں کے دعا مانگنے میں فرق:

ابراہیم علیہ السلام نے اپنی اولاد کے لیے نیکی مانگی۔ یہی تو فرق ہے کہ عوام الناس اپنی اولاد کے لیے اللہ سے دنیا مانگتے ہیں اور جو دین والے ہوتے ہیں وہ اپنی اولادوں کے لیے اللہ سے دین مانگتے ہیں۔ اس لیے آپ دیکھیں گے کہ اکثر لوگوں کو یہ فکر ہوتی ہے کہ میرے مرنے کے بعد میری اولاد کا کیا بنے گا۔ اور کسی کو یہ بھی فکر ہوتی ہے کہ اولاد کے مرنے کے بعد اولاد کا کیا بنے گا؟ یہ فکر نہیں ہوتی۔

ابراہیم علیہ السلام نے اللہ سے دین مانگا تو اللہ نے عطا فرما دیا۔ چنانچہ اسماعیل علیہ السلام بڑے ہوئے تو بالآخر وہاں چشمہ جاری ہوا، جب چشمہ جاری ہوا تو لوگوں نے بیت اللہ کے گرد رہائش رکھنی شروع کر دی، اس سے پہلے یہاں رہائش نہیں ہوتی تھی، بس یہ چوراہا تھا، دوراستے تھے ان کو یہ چوراہا لگتا تھا اور لوگ آتے جاتے یہاں ٹھہرتے تھے اور آگے چلے جاتے تھے۔ جب زم زم جاری ہوا تو اب انہوں نے رہائش رکھنی شروع کر دی۔

ایک قبیلہ تھا بنو جرہم، اس نے بھی رہائش بنا لی اور رہنا شروع کر دیا۔ چنانچہ قبیلہ بنو جرہم کی ایک عورت سے حضرت اسماعیل علیہ السلام کا نکاح ہو گیا۔

اپنے بیٹے (اسماعیل علیہ السلام) کی تربیت کا انداز:

ایک دفعہ ابراہیم علیہ السلام ملنے کے لیے آئے تو اسماعیل علیہ السلام کہیں گئے ہوئے تھے۔ پوچھا کہ سناؤ کیا حال ہے؟ اسماعیل علیہ السلام کی بیوی نے کہا کہ بس کچھ دشواری ہے، تنگی ہے، رزق کی قلت ہے۔ ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ اچھا جب تمہارے خاوند آئیں تو انہیں میرا اسلام پہنچانا اور کہنا کہ دروازے کی چوکھٹ بدل لینا۔ پھر جب اسماعیل علیہ السلام آئے تو جب سنا کہ ملنے والے آئے تھے تو وہ سمجھ گئے کہ یہ میرے والد گرامی ہوں گے۔ پھر وہ پیغام سنایا گیا تو وہ سمجھ گئے کہ میرے والد صاحب کہہ کر گئے ہیں کہ یہ بیوی تمہارے قابل نہیں ہے۔ چنانچہ انہوں نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی اور بعد میں کسی دوسری عورت کے ساتھ شادی کر لی، پھر کچھ دنوں کے بعد ابراہیم علیہ السلام آئے، دوسری بیوی سے پوچھا کہ آپ کے میاں کہاں ہیں؟ تو اس نے کہا کہ وہ کسی کام سے گئے ہیں۔ پوچھا کہ سناؤ کیا حال ہے؟ اس نے کہا کہ میں اللہ سے بہت راضی ہوں، میرے میاں بہت اچھے ہیں، تقویٰ والے، پرہیزگار اور نیکی والے ہیں۔ وہ چونکہ دین دار تھی اس نے تعریفیں کیں، ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ اچھا جب وہ آئیں تو میرا سلام دینا اور کہنا کہ آپ کے دروازے کی چوکھٹ بہت اچھی ہے، پھر جب وہ آئے تو بیوی نے پیغام دیا، اسماعیل علیہ السلام نے فرمایا کہ میرے والد نے مجھے نصیحت کی ہے کہ تم اس بیوی کے ساتھ رہو۔ (صحیح بخاری، حدیث: ۳۳۶۴)

پہلی بیوی کو طلاق دلوانے میں حکمت:

اب یہاں علما نے ایک نکتہ لکھا ہے کہ پہلی بیوی کو طلاق کیوں دلائی اور دوسری کو رکھنے کا حکم کیوں دیا؟ اس لیے کہ پہلی سے جب حال پوچھا تھا تو اس نے شکایت کی تھی

گویا کہ اللہ کی ناشکری کی تھی اور اللہ تعالیٰ نہیں چاہتے تھے کہ آنے والے وقت میں جس عورت نے میرے حبیب (ﷺ) کی امانت اپنے بطن میں رکھنی ہے وہ اللہ کی ناشکری ہو، اللہ نے اس بات کو پسند نہیں فرمایا، اس لیے ناشکری کو طلاق دلوادی اور شکر گزار عورت کو اسماعیل علیہ السلام کی بیوی بنادیا اور ان کی نسل سے نبی ﷺ کو بھیجا۔

اہل مدارس کے لیے قرآن مجید کا ایک اہم اصول:

اسماعیل علیہ السلام بڑے ہوئے تو ابراہیم علیہ السلام کو حکم ہوا کہ گھر بنایئے، چنانچہ اسماعیل علیہ السلام نے گارا بنایا اور ابراہیم علیہ السلام کا تعاون کیا۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتے ہیں:

﴿وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ﴾ (البقرۃ:۱۲۷)

’’یاد کرو اس وقت کو کہ جب ابراہیم نے گھر کی بنیادوں کو کھڑا کردیا اور اسماعیل نے۔‘‘

زیادہ کام تو اسماعیل علیہ السلام نے کیا تھا، پتھر اٹھا کے لانا، گارا بنانا اور ڈال کے دینا، مگر نام کن کا ذکر کیا گیا؟ ابراہیم علیہ السلام کا۔ تو قرآن مجید نے ایک اصول بتادیا کہ دیکھو! ادارے جب بھی دنیا میں بنیں گے کام چھوٹوں کو کرنا پڑے گا اور نام ہمیشہ بڑوں کا آئے گا۔ تو جس ادارے میں یہ ترتیب ہے کہ کام تو چھوٹے کریں اور نام بڑوں کا رکھیں تو اس میں برکت رہتی ہے۔ اور جہاں وہ کہیں کہ ہم کام کرتے ہیں اور ہمارا نام ہی نہیں آتا، ہمارا نام آنا چاہیے تو وہیں خرابی اور فساد آجاتا ہے۔ تو قرآن مجید نے ایک ترتیب بتادی۔

اصل تو قبولیت ہے:

پھر جب انہوں نے اللہ کا گھر بنالیا تو انہوں نے ایک دعا مانگی:

﴿رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا﴾

''اے اللہ! ہماری طرف سے اس کو قبول فرمالیجیے۔''

تو ایک پیغام دے دیا کہ دیکھو! ہر چیز کا انجام قبولیت ہے۔ اگر قبول نہ ہو تو کیا فائدہ؟ اصل تو قبولیت ہے۔

کہتے ہیں کہ ایک دلہن کو زیور پہنائے گئے، اچھے کپڑے پہنائے گئے اور سجایا گیا۔ تو اس کی سہیلیوں میں سے کسی نے اس کی تعریف کر دی کہ یہ زیور تمہیں بہت اچھا لگ رہا ہے اور سوٹ بڑا سج رہا ہے، اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے، کہنے والی گھبرا گئی کہ میری بات اس کو ناگوار گزری ہے، وہ کہنے لگی کہ کیا ہو گیا؟ اس دلہن نے جواب دیا کہ تم نے تو میری اتنی تعریفیں کیں کہ اتنی خوبصورت اور پیاری لگ رہی ہو، میرے ذہن میں خیال آیا کہ جس خاوند کی خاطر تم مجھے سجا رہی ہو، جب میں اس کے پاس پہنچوں گی اور میں اسے پسند نہ آئی تو تمہاری تعریفیں میرے کس کام آئیں گی؟ بھئی! ہم عمل تو کرتے ہیں اور لوگ بھلے اتنی تعریفیں کرتے پھریں، اگر رب نے ہمارا وہ عمل قبول نہ کیا تو تعریف کس کام کی؟ اس لیے عمل کریں تو سب سے پہلے کیا کہنا چاہیے؟ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ''اللہ! اس کو قبول فرمالے۔''

اللہ کے ہاں ناز نہیں، نیاز چلتی ہے:

یہ قبولیت مانگنے سے ملتی ہے۔ چنانچہ ابراہیم علیہ السلام نے یہ دعا مانگی، اسی لیے اللہ رب العزت کے ہاں ناز نہیں چلتا، نیاز چلتی ہے۔ انسان کرے بھی اور جھکے بھی، یہ نہ کہیں کہ میں نے حج کر لیا اور بڑا تیر مار لیا۔

شعر
کیا کیا نہ اپنے زہد و قناعت پہ ناز تھا
بس دم نکل گیا تو سنا بے نیاز تھا

وہ بے نیاز ذات ہے۔زہد وقناعت کسی کام کی نہیں جب وہ اللہ کے ہاں قبول نہ ہو۔

مجھے تو بس آمنہ کا لال چاہیے:

چنانچہ ابراہیم علیہ السلام نے اللہ کا گھر بنایا۔دستور یہ ہے کہ مزدور جب مزدوری کرتا ہے تو اسے اجرت ملتی ہے۔ہم مزدور کو اجرت دیتے ہیں اپنی ذاتی جیب سے، جب ابراہیم علیہ السلام نے رب کریم کا گھر بنایا تو رب کریم نے فرمایا: ابراہیم! مانگو کیا مانگتے ہو۔اب ابراہیم علیہ السلام بھی محرم راز تھے، وہ سمجھتے تھے کہ دینے والی ذات پروردگارِ عالم ہیں، اب انہوں نے دعا مانگی:

﴿رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا﴾ (البقرۃ:۱۲۹)

اے اللہ! مسجد بنادی ہے عبادت سکھانے والے کو بھیج دیجیے۔مدرسہ میں نے بنا دیا پڑھانے والے کو بھیج دیجیے۔اے اللہ! آپ نے فرمایا ہے نا کہ مانگو مجھ سے، اے کریم آقا! میں آپ سے درہم ودینار نہیں مانگتا، یا دنیا کی کوئی دولت نہیں مانگتا، اے اللہ! میں آپ سے کوئی اور فضل وکمال نہیں مانگتا، میں صرف ایک نعمت آپ سے مانگتا ہوں جو آپ کے خزانے میں بھی ایک ہے۔یا اللہ! مجھے کوئی مال نہیں چاہیے، بلکہ مجھے تو بس آمنہ کا لال چاہیے۔

واقعی! کیا نعمت مانگی ابراہیم علیہ السلام نے...!! اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ ابراہیم علیہ السلام کی دعا کی قبولیت پر میں دنیا میں آیا۔

دینِ اسلام کا لب لباب:

یہاں پر ابراہیم علیہ السلام نے ایک دعا اور مانگی:

﴿رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ﴾

''اے اللہ! ہمیں جھکنے والا بنادیجیے۔''

یہ حج کا خلاصہ ہے، یہ دین اسلام کا لب لباب ہے، یہ نچوڑ ہے۔ اگر کوئی پوچھے نا کہ اسلام کا نچوڑ ایک لفظ میں بتلاؤ تو ''تسلیم'' اسلام کا نچوڑ ہے۔ تسلیم کس کو کہتے ہیں؟ فرمانبرداری کو۔

﴿إِذْ قَالَ لَهُ رَبُّهُ أَسْلِمْ قَالَ أَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ (البقرۃ:۱۳۱)

اللہ کے سامنے جھک جانا، جو حکم ہے اس کو قبول کرنا، اس پر عمل کرنا۔ تو یہی مانگنے کی دعا ہے، لہٰذا حج کے اجتماع میں آپ یہی دعا مانگیے کہ اے اللہ! ہمیں بھی ان جھکنے والوں میں سے بنادیجیے۔ حکم ملے تو اپنی گردنوں کو جھکا دیں، خوش قسمت ہے جس کو یہ نصیب ہوجائے، اور پھر اس نعمت کو اپنی اولاد کے لیے بھی مانگیں۔ فرمایا:

﴿وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ﴾

تیسرا امتحان:

پھر ابراہیم علیہ السلام پر تیسرا امتحان یہ آیا کہ جب اسماعیل علیہ السلام کی عمر تیرہ سال کے قریب تھی تو ابراہیم علیہ السلام نے ایک خواب دیکھا کہ وہ اپنے بیٹے کو اللہ کے نام پر قربان کررہے ہیں۔ انبیاء علیہم السلام کے خواب سچے ہوتے ہیں، چنانچہ ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے سے یہ پوچھا کہ اے میرے بیٹے! میں نے خواب دیکھا ہے کہ میں تجھے اللہ کے نام پر ذبح کررہا ہوں۔

﴿فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى﴾ (الصافات:۱۰۲)

''تو بتا کہ تیرا کیا معاملہ ہے؟''

یہ کیوں پوچھا؟ مفسرین نے اس کی دو وجوہات لکھی ہیں۔

پہلی وجہ:

کہ وہ معلوم کرنا چاہتے تھے کہ بات مانتا ہے تو ماننے والوں جیسا سلوک کروں گا اور اگر نہیں مانتا تو نہ ماننے والوں جیسا سلوک کروں گا، کیوں کہ قربانی تو میں نے ضرور دینی ہے۔

دوسری وجہ:

اور بعض مفسرین نے لکھا کہ اصل میں ابراہیم علیہ السلام ان کی ذہن سازی کرنا چاہتے تھے۔ کیوں کہ یہ وہ بچہ تھا جس نے شفقت پدری سے محروم زندگی گزاری تھی۔

نکتہ:

نکتہ سمجھیے! ماں کے ساتھ رہا تھا اور والد کا ہر وقت کا ساتھ نصیب نہیں تھا، جس بچے کو ہر وقت باپ کا سایہ نصیب ہوتا ہے اس کی تربیت کچھ اور ہوتی ہے اور جس کو نہ ملے اس کی تربیت میں کچھ کمی ہوتی ہے۔ تو اب وہ ساتھ تو ہر وقت کا تھا نہیں اور ابراہیم علیہ السلام اب کہہ رہے ہیں کہ میں تمہیں ذبح کر رہا ہوں۔ تو بچے کو تو یوں لگے گا کہ پتہ نہیں کہ یہ دوستی میں ایسا کر رہے ہیں یا دشمنی میں، اس لیے ذہن سازی کے طور پر ابراہیم علیہ السلام نے بتایا کہ اے بیٹے! میں یہ کر رہا ہوں، مگر چونکہ ان کی والدہ نے ان کو ادب سکھایا تھا اور نیکی سکھائی تھی تو انہوں نے بھی آگے سے کہا:

﴿يَآبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ﴾

''اے ابا جان! کر گزریے جس کا حکم ہوا۔''

ادلے کا بدلہ:

اب ذرا توجہ کیجیے! ابراہیم علیہ السلام نے اپنے والد کے لیے کیا لفظ استعمال کیا تھا؟ ''یٰآبت''۔ اور آج بیٹا کیا لفظ استعمال کر رہا ہے ''یٰآبت''۔ یہ ہوتا ہے ادلے کا بدلہ۔ کہ انسان اپنے بڑوں کے ساتھ جو معاملہ کرتا ہے، کل چھوٹے اس کے ساتھ ہو بہو وہی معاملہ کرتے ہیں۔

بیرون ملک میں بوڑھوں کے لیے اولڈ ہاؤس بنے ہوتے ہیں۔ ایک نوجوان اپنے باپ سے تنگ آ گیا اور اس نے اپنے باپ کو زبردستی گاڑی میں بٹھایا اور لے کر گیا، باپ اولڈ ہاؤس میں جانے کو تیار نہیں تھا، بیٹے نے پکڑ کر اسے گھسیٹا اور گھسیٹتے ہوئے اور کھینچتے ہوئے اس کو دفتر کے قریب لے کر گیا تو باپ نے کہا کہ بیٹے! اب چھوڑ دے، اس سے آگے مجھے نہ گھسیٹو۔ اس نے کہا: کیوں؟ اس نے کہا کہ اس لیے کہ میں بھی اپنے باپ کو اس جگہ لایا تھا اور میں نے بھی اسے اسی طرح یہاں تک گھسیٹا تھا، یہ ہے ادلے کا بدلہ...!!

دیکھیے! ابراہیم علیہ السلام نے اپنے والد کے لیے یہ لفظ ''یٰآبت'' استعمال کیا اور آج ان کے لیے ان کا بیٹا بھی یہ لفظ استعمال کر رہا ہے۔

اب بیٹا تیار ہو گیا۔ ابراہیم علیہ السلام نے اپنی اہلیہ سے کہا کہ بڑے کی ملاقات کے لیے جانا ہے تو بچے کو تیار کر دو، انہوں نے نہلا دیا اور کپڑے پہنا دیے، ابراہیم علیہ السلام لے کر چلے۔ کتابوں میں اس کی لمبی تفصیل ہے، مگر مختصر بات یہ ہے کہ شیطان نے تین مختلف طرح کے حملے کیے۔

شیطان کے تین حملے

پہلا حملہ:

ایک تو یہ کہ وہ ابراہیم علیہ السلام کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ بیٹے کو ذبح نہ کیجیے! پوچھا: کیوں؟ کہنے لگا: قابیل نے ہابیل کو قتل کیا تھا تو پوری دنیا میں اس کی بدنامی ہوئی اور اگر آپ بیٹے کو قتل کریں گے تو آپ کی بھی بدنامی ہوگی۔ ابراہیم علیہ السلام نے جواب دیا: مجھے لگتا ہے کہ تو شیطان ہے، بدبخت! قابیل نے ہابیل کو قتل کیا تھا شہوت کو پورا کرنے کی خاطر اور میں بیٹے کو ذبح کروں گا حکم خدا کو پورا کرنے کی خاطر، لاجواب ہو کر دفعہ ہو گیا۔

دوسرا حملہ:

اب دوسرا حملہ اس نے کیا بی بی ہاجرہ کے اوپر، بوڑھے کی شکل میں آیا اور کہنے لگا: پتہ ہے آپ کو کہ وہ آپ کا میاں آپ کے بیٹے کو قتل کرنے کے لیے لے کر گیا ہے؟ انہوں نے کہا: بھلا باپ بھی اپنے بیٹے کو قتل کرتا ہے؟ تو وہ کہنے لگا: ہاں ہاں! اللہ کا حکم ہوا ہے، جیسے ہی یہ کہا تو یہ سن کر بی بی ہاجرہ نے کہا: اگر میرے اللہ کا حکم ہے تو پھر اس پر تو میں بھی اللہ کے راستے میں قربان ہونے کے لیے تیار ہوں۔ وہاں بھی شیطان کا داؤ نہ چلا۔

تیسرا حملہ:

پھر تیسرا وار اس نے اسماعیل علیہ السلام پر کیا۔ بوڑھے کی شکل میں آیا اور کہنے لگا: پتہ ہے تمہیں کہ تمہارے والد تمہیں ذبح کرنے کے لیے لے کر جا رہے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا: او بڈھے! کوئی باپ بھی اپنے بیٹے کو ذبح کرتا ہے؟ اس نے کہا: ہاں! اللہ کا

حکم ہوا ہے۔ تو جیسے ہی اس نے یہ کہا تو اسماعیل علیہ السلام نے فوراً کہا کہ اگر میرے اللہ کا حکم ہوا ہے تو میں اللہ کے حکم پر قربان ہونے کے لیے تیار ہوں۔ اس کے تینوں حملے ناکام ہوئے اور اللہ رب العزت نے اس کی یاد کے لیے شیطان کی تین جگہوں پر نشانیاں بنوادیں کہ ان حملوں کو یاد کرو اور شیطان کو کنکریاں مار کر اپنی نفرت کا اظہار کر کے دکھاؤ۔ اس کو ہم ''رمی الجمار'' کہتے ہیں۔

ابراہیم! تجھے شاباش ہو:

اب منیٰ جو ہے یہ دو پہاڑ تھے، جس کو بڑا شیطان کہتے ہیں یعنی ''جمرہ عقبہ''۔ اس کے آگے یہ دونوں پہاڑ، یوں ملتے تھے اور اس کے آگے چھوٹا سا راستہ تھا اس کو ''درّہ'' کہتے ہیں یعنی گزرنے کا راستہ۔ جیسے ہی اس درّے سے گزر کر کھلی جگہ پر آئے تو بچے نے پوچھا: ابا جان! آپ نے تو کہا تھا کہ کسی بڑے کو ملنے جانا ہے تو کہاں جائیں گے؟ وہاں پھر ابراہیم علیہ السلام نے بات کھولی کہ بیٹے! اصل بات تو یہ ہے کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ ذبح کر رہا ہوں تو آپ بتاؤ پھر کیا ارادہ ہے؟ اسماعیل علیہ السلام تیار ہو گئے۔

اب کتابوں میں تفصیل لکھی ہوئی ہے کہ کس طرح انہوں نے بیٹے کو لٹایا اور کس طرح اس کو ذبح کرنے کی کوشش کی۔ تاہم اتنی بات ضرور ہے کہ انہوں نے اپنے بیٹے کو اس طرح لٹادیا تھا کہ چہرہ دوسری طرف ہو، سامنے نہ ہو کہ اگر سامنے ہوگا تو شفقت پدری کی وجہ سے کہیں چھری چلانے میں کمزوری نہ آجائے۔ بیٹے سے پوچھا کہ تمہاری کوئی بات؟ تو کتابوں میں بات لکھی ہے کہ اسماعیل علیہ السلام نے صرف ایک بات کہی: ابا جان! جب آپ مجھے ذبح کر لیں تو میری والدہ کو میرے یہ کپڑے دکھا دینا کہ تمہارے بیٹے نے اللہ کے نام پر اپنی جان قربان کر دی۔

اب ذرا سوچیں کہ ابراہیم علیہ السلام کے دل پر کیا گزر رہی ہوگی!؟ اپنا بیٹا اور چھری کو تیز کر رہے ہیں کہ دیر بھی نہ لگے ذبح ہونے میں اور بیٹا بھی لیٹا ہوا ہے اور آنکھوں پر پٹی باندھ لیتے ہیں کہ بیٹا تڑپتا بھی نظر نہ آئے۔ اللہ اکبر... اتنا بڑا امتحان، اتنا بڑا امتحان...!!

بالآخر ابراہیم علیہ السلام نے چھری چلائی اور اللہ نے اسماعیل علیہ السلام کی حفاظت فرمائی اور ان کی جگہ پر ایک جنت کا مینڈھا وہاں پہنچا دیا اور وہ ذبح ہوگیا۔

اب یہ پورا واقعہ الفاظ میں لکھنا بڑا مشکل ہے، قرآن مجید کی عظمت دیکھیے کہ اللہ نے دو لفظوں میں بات سمیٹی:

﴿فَلَمَّآ اَسْلَمَا﴾ (الصافات: ۱۰۳)

''جب دونوں نے یہ بات مان لی (بیٹا قربان ہونے کے لیے تیار اور باپ قربان کرنے کے لیے تیار)''

﴿وَنَادَيْنٰهُ اَنْ يّٰۤاِبْرٰهِيْمُ﴾

''ہم نے اس وقت کہا: اے ابراہیم!''

﴿قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا﴾

''تو نے خواب کو سچ کر دکھایا۔''

یہ امتحان کوئی چھوٹا تھا؟ ہر طالب علم کہتا ہے کہ امتحان بڑا مشکل، بڑا مشکل، مگر مزہ تب آئے کہ امتحان لینے والا کہے کہ امتحان بڑا مشکل تھا۔ اس امتحان میں رب کریم فرماتے ہیں:

﴿اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلٰٓؤُا الْمُبِيْنُ﴾

''یہ بہت بڑی آزمائش تھی۔''

مگر ابراہیم علیہ السلام کامیاب ہو گئے۔

رب کریم فرماتے ہیں:

﴿سَلٰمٌ عَلٰٓی اِبْرٰهِیْمَ﴾

''ابراہیم! تجھ پر سلامتی ہو (ابراہیم! تجھے شاباش ہو۔)''

ہم اپنی علاقائی زبان میں کہتے ہیں کہ ''جیند ارو'' یعنی تو جیتا رہے۔ تو یہاں بھی اللہ رب العزت خوش ہو کر فرماتے ہیں: ''ابراہیم! جیتا رہ، تو نے کتنا بڑا کام کر کے دکھا دیا۔''

پھر اللہ فرماتے ہیں کہ یہ بات ہمیں اتنی پسند آئی کہ

﴿وَتَرَكْنَا عَلَیْهِ فِی الْاٰخِرِیْنَ﴾

ہم نے آنے والوں میں اس سنت کو جاری کر دیا کہ ہر سال آنے والے لوگو! تم میرے ابراہیم خلیل اللہ کے اس عمل کی یاد تازہ کر کے دکھا دیا کرو۔

حج کا مقصد کیا ہے؟

کوئی اگر یہ پوچھے کہ آپ حج کر کے آئے ہیں تو حج کا مقصد کیا ہے؟ ایک فقرے میں سمجھائیں۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ رب العزت یہ چاہتے تھے کہ ملت ابراہیمی، مزاج ابراہیمی کو سمجھ لے۔ ہم امت محمد ﷺ ہیں اور ملت ہیں ابراہیم علیہ السلام کی۔ فرمایا:

﴿ثُمَّ اَوْحَیْنَآ اِلَیْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًا﴾ (النحل: ۱۲۳)

تو اللہ تعالیٰ ملت ابراہیم کو مزاج ابراہیم سکھانا چاہتے تھے، اس لیے بیت اللہ بنا دیا کہ آؤ ذرا دیکھو! یہ گھرانہ میرے مقبول بندوں کا تھا، دیکھو! میرے ابراہیم کیسے تھے، کیسے آگ میں کود گئے، غیر کی طرف میلان نہ دکھایا، کیسے میرے ابراہیم اپنے

بیوی بچوں کو میری خاطر جنگل بیاباں میں چھوڑنے پر آمادہ ہو گئے، کیسی بیوی تھی کہ جو اللہ کے وعدوں پر بھروسہ کر کے اکیلی رہنے کے لیے تیار ہو گئی اور وہ بچہ کیسا تھا، چھوٹا سا تھا، مگر میرے نام پر قربان ہونے کے لیے تیار، لوگو! یہ میرے مقبول بندوں کا گھرانہ تھا، یہ گھر کا سربراہ بھی میرا مقبول بندہ، بیوی بھی مقبول بندی، بچہ بھی مقبول بندہ۔ اگر تم مقبول بننا چاہتے ہو تو تمہارے بڑے ابراہیم کے نقش قدم پر چلیں اور عورتیں بی بی ہاجرہ کے نقش قدم پر اور بچے اسماعیل کے نقش قدم پر چلیں، تم ایسے بنو گے تو تمہارا گھرانہ بھی میری نظر میں مقبول بن جائے گا۔

اللہ رب العزت نے اس کو Practically دکھانے کے لیے ساری دنیا سے لوگوں کو اپنے گھر میں اکٹھا کیا کہ دیکھو! جو مجھے پیارے ہوتے ہیں وہ مجھے ایسے ہوا کرتے ہیں۔ چنانچہ حج کا اصل مقصد تسلیم کو سمجھنا ہے۔

میں سر جھکاتا ہوں میرے مولیٰ....!

تو ہم آج کی اس مجلس میں یہ ارادہ کریں کہ اے پروردگار عالم! ہم اپنی مرضیات کو چھوڑ دیں گے، مرغوبات کو چھوڑ دیں گے، بس آج کے بعد آپ کی مرضی کے اوپر عمل کریں گے، آپ کا حکم ہو گا اور ہمارا سر جھک جائے گا۔ آج تک ہم نافرمانیاں کرتے رہے، من مانی کی زندگی گزاری، نفس کی پرستش کرتے رہے، اے اللہ! حقیقت یہاں آ کر سمجھ میں آئی کہ یہاں تو جھکنا ہے، بس اللہ! آج ہم نے اپنے سروں کو جھکا دیا ہے۔

رہا میں دن رات غفلتوں میں عبس یوں ہی زندگی گزاری

کیا نہ کچھ کام آخرت کا کٹی گناہوں میں عمر ساری
میں سر جھکاتا ہوں میرے مولیٰ میں توبہ کرتا ہوں میرے باری

اے کریم آقا! بس آج ہم اپنا سر جھکا رہے ہیں آپ کے سامنے، ہم کسی وقت بھی آپ کی نافرمانی نہیں کریں گے، آپ کا حکم ہوگا سر جھکا دیں گے، یہ تسلیم ہمیں سکھا دیجیے! بس اگر اللہ رب العزت نے یہ توفیق ہمیں عطا فرمادی تو کام آسان ہو گیا۔

خلاصۂ کلام:

اب بات کا لب لباب سن لیجیے! جو بندہ اللہ کی خاطر قربانی دیتا ہے تو اللہ اس کو اس کا بہتر بدل عطا فرماتے ہیں یعنی اس کا نعم البدل عطا فرماتے ہیں۔ ابراہیم علیہ السلام نے اللہ کی خاطر گھر چھوڑا تھا تو اللہ نے ان کو اپنے گھر کا متولی بنا دیا، پھر قوم اور خاندان چھوڑا تھا تو اللہ رب العزت نے اس خاندان کو چھوڑنے کے بدلے ان کو "اب الانبیاء" بنا دیا۔ یعنی ان کے خاندان میں کثیر تعداد میں انبیا پیدا کر دیے۔ رشتے داروں کو اللہ کی خاطر چھوڑا اللہ نے آنے والی اولاد میں انبیا کو پیدا فرما دیا اور انہوں نے ایک گھر کی زندگی کی آسائشوں کو چھوڑا تھا تو اللہ رب العزت نے فرمایا:

﴿اِنِّيْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا﴾

"میں تمہیں انسانوں کا امام بناتا ہوں۔"

جو اللہ کے لیے قربانی دیتا ہے اللہ رب العزت اس کی امیدوں سے بڑھ کر بہتر بدلہ عطا فرماتا ہے۔ ہم یہاں ساری خواہشات کو دفن کر دیں، چھوڑ دیں اور اللہ کے حکم پر لبیک کہتے ہوئے اپنی گردنوں کو جھکا دیں۔ اے رب کریم! آئندہ نیکوکاری کی

زندگی گزاریں گے، اے اللہ! تو اس پر ہماری مدد فرما دے۔ اے اللہ! آپ تو دلوں کے بھید جانتے ہیں، آپ اچھی طرح واقف ہیں ہماری حالت سے، ہم صبح توبہ کرتے ہیں اور شام کو توڑ بیٹھتے ہیں اور شام کو توبہ کرتے ہیں اور دن میں توڑ بیٹھتے ہیں، اے اللہ! ہم ایک قدم آگے بڑھتے ہیں تو دوسرے قدم پر شیطان ہمیں پیچھے دھکیل دیتا ہے، اے اللہ! ہمیں آپ کی مدد کی ضرورت ہے، اے اللہ! ہماری مدد کر دیجیے۔ عہد ہم نے کیا اور مدد آپ فرما دیں، اے اللہ! ہماری کشتی کو کنارے لگا دیجیے، ہمیں اور قیامت تک آنے والی ہماری نسلوں کو اپنے تسلیم کرنے والے بندوں میں شامل فرما لیجیے...!! (آمین)
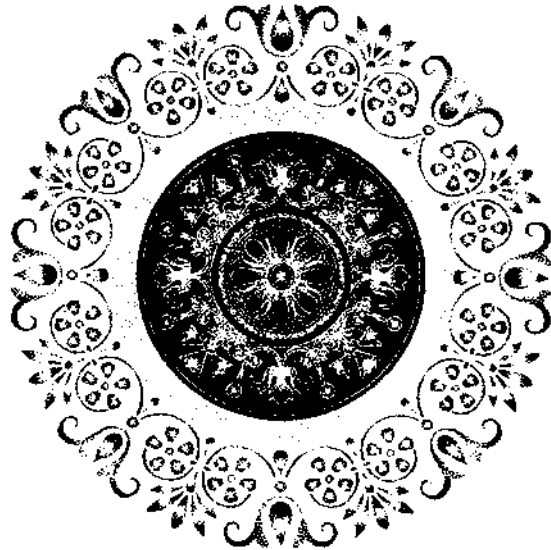
وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

امتحان

تین امتحان

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ کَفٰی وَ سَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۝ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

﴿وَاِذِ ابْتَلٰٓی اِبْرٰھٖمَ رَبُّہٗ بِکَلِمٰتٍ فَاَتَمَّھُنَّ﴾ (البقرۃ:۱۲۴)

سُبْحٰنَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْنَ ۝ وَسَلٰمٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ ۝

وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ

پہلے امتحان پھر انعام:

سیرپ کی بعض بوتلوں کے اوپر لکھا ہوتا ہے:

shake well before use

''استعمال کرنے سے پہلے اس کو اچھی طرح ہلا لو۔''

ہم نے یہ اصول دیکھا کہ اللہ تعالیٰ جب کسی بندے کو انعام دینا چاہتے ہیں تو پہلے اس کو اچھی طرح جھنجوڑتے ہیں۔ یہ دنیا کا دستور ہے کہ کوئی بھی انعام دینا مقصود ہو تو اس سے پہلے انسان کا امتحان ہوتا ہے۔ کئی مرتبہ عقلی امتحان ہوتا ہے، کئی مرتبہ جسمانی امتحان ہوتا ہے، لوگ محنت کرتے ہیں، مجاہدے کرتے ہیں، پھر انعام لیتے ہیں۔ تو یہ

طے شدہ بات ہے کہ انعام پانے کے لیے امتحان سے گزرنا پڑتا ہے۔

عام زندگی اور امتحان کی زندگی Different (مختلف) ہوتی ہے:

ایک طالب علم کی زندگی کو دیکھیں! وہ چاہتا ہے کہ مجھے میڈیکل کے اندر داخلہ مل جائے، جب امتحان کا وقت قریب آتا ہے تو وہ اپنے آپ کو بالکل الگ تھلگ کر لیتا ہے۔ دوستوں سے ملنا جلنا ختم کر دیتا ہے، کھانا بھی کم کر دیتا ہے، موبائل کو بند کر کے ایک طرف رکھ دیتا ہے، لمبی لمبی کالیں، میسجز کرنے ختم کر دیتا ہے، انٹرنیٹ کا استعمال ختم کر دیتا ہے، کوئی ایسی مصروفیت نہیں رکھتا جو امتحان کی تیاری میں رکاوٹ بنے، بلکہ ہر وقت کتابوں کے مطالعے میں مصروف رہتا ہے، اگر کوئی اسے کہے کہ آج ہماری طرف آپ کی دعوت ہے تو وہ کہے گا کہ نہیں! میں نہیں آ سکتا، بلکہ اپنے گھر میں بھی اپنی امی کے ساتھ کھانے کے لیے بیٹھے گا تو چند منٹ میں اٹھ جائے گا اور کہے گا: امی! میں جا رہا ہوں۔ اب اس طالب علم کی زندگی ایک عام زندگی سے بالکل Different ہے۔ عام زندگی میں تو لوگ مزے مزے کی ڈشز بناتے ہیں، مل جل کر کھانا کھاتے ہیں، اگر کوئی دعوت دے تو بہت جلد قبول کرتے ہیں، جب فون آئے تو بات بھی لمبی کرتے ہیں۔ تو ایک عام زندگی کی ترتیب ہے اور ایک امتحان کی زندگی کی بھی ترتیب ہے۔ یہ دونوں Different ہوتی ہیں۔

ہماری یہ زندگی ایک امتحان کی زندگی ہے۔ اللہ رب العزت نے ہمیں امتحان کی غرض سے یہاں بھیجا، اس لیے کہتے ہیں:

((اَلدُّنْیَا دَارُ الْمِحَنِ))

''دنیا امتحان کی جگہ ہے۔''

انسان اشرف المخلوقات کیوں؟

انسان تو اشرف المخلوقات ہے۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ انسان کو اشرف المخلوقات کیوں کہتے ہیں؟

تو سمجھ لیجیے کہ اس دنیا میں چار طرح کی مخلوقات ہیں۔ مثلاً: انسان، حیوان، نباتات اور جمادات۔ یہ چار چیزیں ہیں جو نئی کیٹیگری کہلائی جاتی ہیں۔ جمادات کہتے ہیں پہاڑ کو، پتھر کو۔ نباتات کہتے ہیں فصلوں کو، درختوں کو۔ حیوانات کہتے ہیں جیسے گائے بکری وغیرہ۔ اور انسان، انسان کو۔ تو ان کی یہ ترتیب ہے کہ سب سے ادنیٰ ہے جمادات، پھر ان سے اوپر ہیں نباتات، پھر ان سے اوپر ہیں حیوانات اور ان سے اوپر ہیں انسان۔

اس کی بہت پیاری سی پہچان یہ ہے کہ جمادات کا جو لفظ ہے، اس کا پہلا حرف اس کی خصوصیت کو ظاہر کرتا ہے۔ جمادات کا پہلا لفظ ہے ''جیم''۔ تو جیم سے بنا جسمانیت۔

جمادات کے اندر جو خصوصی صفت ہوتی ہے وہ ہے جسامت۔ جیسے پہاڑ میں جسامت ہے، پتھر میں جسامت ہے، تو ان کی ایک ہی کیفیت ہے کہ جسامت ہوتی ہے۔

پھر نباتات کا پہلا حرف ہے ''نون''۔ اس سے اس کی خاص صفت کی پہچان ہوتی ہے، جیسے نون سے بنا نشو ونما۔ یہ کہتے ہیں بڑھوتری کو، اب پتھر میں بڑھوتری نہیں ہوتی، آپ جیسا پتھر لا کر گھر رکھیں گے دس سال کے بعد اسی طرح ہوگا، لیکن نشو ونما نباتات میں ہوتی ہے۔ آج آپ بیج لگائیں، پودا بنے گا، جھاڑی بنے گا پھر درخت بن جائے گا۔ اتنا بڑا کہ منوں کے حساب سے اس میں سے لکڑی نکلے گی۔ تو نباتات کے اندر نشو ونما ہے، یہ ایڈیشنل صفت ہے۔ درخت کے اندر جسامت بھی ہوتی ہے

اور نشو ونما بھی ہوتی ہے، لہذا ہم کہہ سکتے ہیں کہ نباتات، جمادات سے اعلیٰ ہیں۔

اب اس سے اوپر ہیں حیوانات۔ ان کے اندر جسامت بھی ہونی چاہیے، بڑھوتری بھی ہونی چاہیے اور ایک تیسری صفت بھی ہونی چاہیے جو ایڈیشنل ہو۔ اب آپ غور کریں کہ بکری کے بچے میں جسامت بھی ہوتی ہے اور نشو ونما بھی ہوتی ہے اور ایک ایڈیشنل چیز ہے، اس کا پتہ کیسے چلے گا؟ اس کے نام کے پہلے حرف سے، اور نام ہے حیوان، پہلا حرف ہوا ''ح''۔ اس سے لفظ بنا حرکت۔ درخت نے حرکت نہیں کی، یہ نہیں ہوسکتا کہ ایک جگہ سے وہ حرکت کر کے دوسری جگہ چلا جائے، جو جہاں ہے وہیں ہے۔ تو حیوانات کے اندر ایک ایڈیشنل چیز آ گئی، کوئی یہاں ہے، کوئی وہاں بیٹھا ہے، کوئی ادھر بھاگ رہا ہے، کوئی ادھر بھاگ رہا ہے، اس لیے حیوانات، نباتات سے اعلیٰ ہوتے ہیں۔

انسان حیوانات سے بھی اعلیٰ، اس کا مطلب ہے کہ اس کے اندر جسامت بھی ہونی چاہیے، نشو ونما بھی ہونی چاہیے، حرکت بھی ہونی چاہیے اور ایک ایڈیشنل صفت بھی ہونی چاہیے۔ چنانچہ انسان کا جسم بھی ہوتا ہے، جسم میں نشو ونما بھی ہوتی ہے، اس کے اندر حرکت کرنے کی صلاحیت بھی ہوتی ہے اور ایک چوتھی چیز جو ایڈیشنل ہے، وہ کیا ہے؟ انسان کا لفظ ''الف'' سے شروع ہوتا ہے۔ اور الف سے لفظ بنا اُنس، اُنس کہتے ہیں محبت کو۔ انسان کے اندر محبت کا مادہ رکھ دیا، اس وجہ سے یہ حیوان سے افضل ہے، ورنہ وہ بھی کھاتے ہیں اور یہ بھی کھاتے ہیں، اُن کے بھی بچے پیدا ہوتے ہیں اور اِن کے بھی بچے پیدا ہوتے ہیں، فرق کیا ہوا؟ فرق یہ ہوا کہ حیوانوں کے اندر اللہ سے محبت کرنے کا مادہ نہیں ہے، وہ اللہ نے انسان میں رکھا ہے، اس وجہ سے یہ افضل

ہے، اس لیے انسان کو کہتے ہیں کہ یہ اشرف المخلوقات ہے، یعنی ساری مخلوقات میں سب سے اعلیٰ یہ ہے۔ اس لیے جس بندے کے اندر اللہ تعالیٰ کی محبت نہ ہوگی قرآن کریم نے کہا:

﴿أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ﴾

''یہ تو جانور ہیں۔''

﴿بَلْ هُمْ أَضَلُّ﴾ (الاعراف:۱۷۹)

''بلکہ جانوروں سے بھی بدتر ہیں۔''

اس لیے کہ جس چیز کی وجہ سے ان کو فضیلت دینی تھی وہ تو اِن کے اندر ہے ہی نہیں، تو انسان اور حیوان میں کیا فرق رہ گیا؟ تو یہ کہا گیا کہ انسان اشرف المخلوقات ہے، مگر یہ فضیلت کس لیے ملی؟ اللہ تعالیٰ کی محبت کی وجہ سے۔

فطرت کا قانون کہ ادنیٰ اعلیٰ پر قربان ہوتا ہے:

اب یہاں پر ایک اور نکتے کی بات سمجھ لیجیے! فطرت کا قانون ہے کہ ادنیٰ اعلیٰ پہ قربان ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر: جمادات میں زمین ادنیٰ اور نباتات اس سے افضل تھی، تو آپ دیکھ لیں کہ زمین کے اوپر گہرا ہل چلاتے ہیں، اس کے سینے کو چیر دیتے ہیں۔ یہ کس لیے؟ زمین کو ٹھیک کرنے کے لیے۔ زمین کے اوپر گہرا ہل چلا دیا، زمین کو پھاڑ دیا۔ ہر کوئی کہے گا کہ بھئی! بنی ہی اس لیے تھی کہ اپنے سے اعلیٰ پر قربان ہو۔ لہٰذا زمین کو کھودتے ہیں، اس میں ہل چلاتے ہیں اور زمین کو فصل کے لیے تیار کرتے ہیں۔ اب فصل لگ گئی، اتنی خوبصورت فصل لگی ہوئی ہوتی ہے، چارہ لگا ہوا ہے، اس کو

کاٹتے ہیں، کس لیے؟ کہ ہم نے جانوروں کو کھلانا ہے۔ کوئی یہ نہیں کہتا کہ اتنے خوبصورت پھول تھے اور یہ تو اتنی خوبصورت فصل تھی، اس کو کیوں کاٹ دیا؟ ہر کوئی کہے گا کہ بھئی! اس کا مقصد ہی یہ تھا کہ اعلیٰ ادنی پر قربان ہو، اس لیے حیوانوں کے لیے ہم نے اس کو کاٹ دیا۔

اچھا! اب ایک چیز ہے حیوان۔ اب حیوان کا مقصد ہی یہ ہے کہ وہ انسان پر قربان ہو۔ لہذا بکری کو ذبح کرتے ہیں، مرغی کو ذبح کرتے ہیں، کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ جرم ہو رہا ہے، کیونکہ یہ فیصلہ ہے کہ ادنی اعلیٰ پر قربان ہوتا ہے۔ جیسے شیر اور چیتا ہے، وہ کھاتے ہیں ہرن کو اور دوسرے جانداروں کو اللہ نے ان کی غذا بنادیا ہے، یہ قانونِ فطرت ہے۔ تو اسی طرح اللہ رب العزت نے حیوانات کو انسان پر قربان کر دیا۔

انسان رب رحمان پر قربان:

اب انسان اپنے رب رحمان پر قربان ہوتا ہے۔ اپنے سے اعلیٰ پر قربان ہوتا ہے۔ چنانچہ ایک سچا مومن وہ ہوتا ہے کہ جس کا بیٹھنا اٹھنا چلنا پھرنا زندگی موت سب کچھ اللہ کے لیے ہوتا ہے، یعنی مومن اللہ پر قربان اور ابراہیم علیہ السلام نے یہی فرمایا تھا:

﴿إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾

(الانعام:۱۶۲)

یعنی میرا سب کچھ میرے اللہ پر قربان۔ تو یہ انسان کی فضیلت کا بنیادی سبب ہے۔ اچھا! ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالی نے کچھ باتوں میں آزمایا کہ یہ میرا خلیل مجھ سے کتنی محبت کرتا ہے۔ دنیا کا دستور ہے کہ جو محبت کا دعویٰ کرے اسے آزمایا جاتا ہے۔ اس کا مالی امتحان لیتے ہیں اور جانی امتحان لیتے ہیں کہ یہ واقعی اپنی بات میں سچا ہے یا نہیں؟

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا امتحان:

اللہ رب العزت نے بھی ابراہیم علیہ السلام سے قربانی لی، امتحان لیا۔ اب امتحان مشکل ہوتا ہے۔ چنانچہ ابراہیم علیہ السلام پر کئی امتحان آئے، ان میں سے ایک امتحان ان کی اپنی ذات کے اوپر آیا۔ وہ کیا تھا؟ کہ ان کا والد جوان کی پرورش کرتا تھا وہ بت پرست تھا اور ابراہیم علیہ السلام تو توحید کے قائل تھے۔ چنانچہ انہوں نے والد کو بتادیا کہ میں تو اللہ کو مانتا ہوں اور بتوں کو نہیں مانتا، اس نے کہا کہ اچھا پھر تو تمہیں میرے گھر سے نکلنا پڑے گا۔ اب ایک نوجوان کے لیے گھر کی سب سہولیات کو چھوڑ کر بے سہارا کہیں چلے جانا کوئی چھوٹا سا کام تو نہیں ہوتا، مگر ابراہیم علیہ السلام نے گھر کو اللہ کے لیے قربان کر دیا۔

اب یہاں تو گھر کا معاملہ تھا، اس کے بعد اگلا کام دیکھو کہ پوری قوم دوسری طرف تھی، قوم کہتی تھی کہ ہمارے ساتھ رہو۔ چنانچہ ان کا ایک میلہ لگتا تھا، انہوں نے کہا کہ اس میلے میں ہمارے ساتھ چلو۔ ابراہیم علیہ السلام پہچان گئے کہ وہاں جا کر خرافات کریں گے، انہوں نے کہا کہ بھئی! میری طبیعت ذرا ٹھیک نہیں ہے۔ واقعی جب بندے کو کسی جگہ پر ذہنی سکون نہ ملتا ہو تو اس کی طبیعت وہاں جانے کو نہیں چاہتی۔ قوم میلے میں چلی گئی اور ابراہیم علیہ السلام نے پیچھے ان کے جتنے بت تھے سب کو توڑ دیا اور کلہاڑا بڑے بت کے کندھے پر رکھ دیا، قوم واپس آئی، بت خانے میں گئی کہ اپنے خداؤں کی پوجا کریں، دیکھا تو سب کے ٹکڑے ہوئے پڑے ہیں۔ کہنے لگے: یہ کیا ہوا؟ اس وقت کسی نے کہا:

﴿سَمِعْنَا فَتًى يَّذْكُرُهُمْ يُقَالُ لَهٗٓ اِبْرٰهِيْمُ﴾ (الانبیاء:٦٠)

''ہم نے سنا ہے ایک نوجوان کے بارے میں کہ وہ بتوں کے خلاف باتیں کرتا ہے، اس کو ابراہیم کہتے ہیں۔''

لگتا ہے کہ اسی نے یہ کیا ہے۔ چنانچہ ابراہیم علیہ السلام کو پکڑ لیا گیا۔ ابراہیم! یہ سارا کچھ آپ نے کیا؟ انہوں نے کہا کہ بھئی! جس کے کندھے پر کلہاڑا ہے اس سے پوچھو، مال جہاں سے درآمد ہو وہیں سے تفتیش کرتے ہیں، تو بھئی! کلہاڑا جس کے کندھے پر ہے اس سے جا کر پوچھو۔ وہ کہنے لگے: یہ تو بول نہیں سکتے۔ فرمایا کہ تمہاری مت ماری گئی ہے کہ جو بولتے ہی نہیں تم ان کی پوجا کرتے ہو! اب قوم کو غصہ آیا، جواب تو وہ دے نہ سکے، جب بندہ کسی بات کا جواب نہ دے سکتا ہو تو وہ لڑنے پہ آجاتا ہے۔ ہاتھ کون اٹھاتا ہے؟ جو زبان سے بات کرنے سے قاصر ہوتا ہے، اسی لیے جو ماں باپ اپنے بچوں پر ہاتھ اٹھاتے ہیں وہ شکست تسلیم کرتے ہیں کہ ہم اپنے بچوں کو زبان سے سمجھانے میں کامیاب نہیں ہو سکے، پھر وہ ہاتھ اٹھاتے ہیں۔ تو قوم نے کہا کہ اچھا! یہ ہمارے بتوں کو برا کہتا ہے۔

﴿قَالُوا حَرِّقُوهُ وَانصُرُوا آلِهَتَكُمْ﴾ (الانبیاء:۶۸)

''کہنے لگے: اس کو آگ میں زندہ جلا دو اور اپنے خداؤں کی مدد کرو۔''

اب اعلان کر دیا گیا کہ آگ جلائیں گے اور ابراہیم کو اس میں ڈالیں گے۔ چنانچہ آگ جلانے کی تیاریاں شروع ہو گئیں۔ قوم کو اپیل کی گئی کہ سب لکڑیاں ڈالیں، کوئی ایک من ڈالتا، کوئی دو من ڈالتا، حتیٰ کہ اس زمانے کی عورتیں نذر مانتی تھیں کہ میرا کام ایسے ہو گیا تو ابراہیم کے لیے اتنے من لکڑی ڈال آؤں گی، لکڑیوں کا پہاڑ بن گیا۔ جب پہاڑ بن گیا تو اب اس کو آگ لگائی گئی، اب آگ اتنی زیادہ کہ اس میں کوئی جا ہی نہیں سکتا، تو ابراہیم علیہ السلام کو اس میں کیسے ڈالیں؟ انہوں نے کہا کہ ان کو جھولے میں بٹھاتے ہیں اور جھولا چلائیں گے، جب یہ اس طرف جائیں گے تو وہاں سے نیچے

گرا دیں گے، یہ سیدھا آگ میں جا گریں گے۔ اور ابراہیم علیہ السلام کا ایمان دیکھیں... اللہ اکبر! آگ سامنے نظر بھی آ رہی ہے اور پتہ بھی ہے کہ مجھے اس میں ڈالیں گے، لیکن وہ توحید پر ڈٹے ہوئے ہیں۔ وہ جانتے تھے کہ یہ جان اللہ نے دی ہے، اگر اللہ کے نام پر قربان بھی کر دی تو کوئی بات نہیں۔

جان دی ، دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

انسان جان بھی اللہ کے نام پر دے دے تو حق تو ادا نہیں ہوتا۔ چنانچہ ابراہیم علیہ السلام کو جھولے میں بٹھا لیا گیا اور آگ کی طرف رخ کیا گیا، اب جب ابراہیم علیہ السلام آگ کی طرف ہوا میں جا رہے تھے، جو کہ چند سیکنڈ کے فاصلے پر تھی، لیکن ہمارے نزدیک تو چند سیکنڈ تھوڑے ہوتے ہیں، حالانکہ یہ چند سیکنڈ بھی بہت تھے، اس وقت جبریل علیہ السلام جو کہ انبیاء علیہم السلام کی مدد کے لیے متعین ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کا Charter of Duty بنایا ہے کہ تم نے میرے انبیا کی طرف پیغام بھی لے کر جانا ہے اور جب ان کو مدد کی ضرورت پڑے گی تو مدد بھی تم نے کرنی ہے۔ چنانچہ ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے پوچھا کہ آپ کے خلیل ہیں اور آگ میں گر رہے ہیں، کیا میں ان کی مدد کروں؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہاں! اگر وہ قبول کرتا ہے تو کرو۔ چنانچہ جبریل علیہ السلام آئے اور آ کر کہا:

((اَلَکَ حَاجَۃٌ؟))

''کیا آپ کو (میری) کوئی ضرورت ہے؟''

اب سوچیے! اگر کوئی بندہ آگ میں پھینکا جا رہا ہو اور اس کو کوئی بندہ مدد کی پیش کش کرے تو وہ کہے گا: ہاں! ضرورت ہے، لیکن ابراہیم علیہ السلام نے آگے سے Question

پوچھا: کیا میں جس حال میں ہوں میرا رب میرے اس حال سے واقف ہے؟ تو جبریل علیہ السلام نے کہا: ہاں! واقف ہے۔ فرمایا:

((حَسْبِیْ مِنْ سُؤَالِیْ عِلْمُہٗ بِحَالِیْ))

''اللہ کو میرے اس حال کا پتہ ہے اب مجھے کوئی سوال کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔''

جب ابراہیم علیہ السلام نے جبریل علیہ السلام کو بھی ناں کر دی تو اللہ نے فرمایا:

﴿یٰنَارُ کُوْنِیْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓی اِبْرٰھِیْمَ﴾

''اے آگ! تو میرے ابراہیم پر ٹھنڈی اور سلامتی والی بن جا۔''

اگر صرف ٹھنڈی کر دیتے تو وہ برف بن جاتی، فرمایا: نہیں! ٹھنڈی اور سلامتی والی بن جا۔ چنانچہ ابراہیم علیہ السلام کو آگ نے نہ جلایا اور اللہ تعالی نے ان کو امتحان میں کامیاب فرما دیا۔ (تفسیر روح البیان: ۵/۳۸۲ سورۃ الانبیاء)

یہ امتحان ابراہیم علیہ السلام کے اوپر آیا، اس میں وہ کامیاب ہو گئے۔

ابراہیم علیہ السلام کی بیوی ہاجرہ کا امتحان:

اب دوسرا امتحان ان کی بیوی پر آیا، جو واقعی سخت تھا۔ ابراہیم علیہ السلام اپنی بیوی کے ساتھ بلادِ شام میں رہتے تھے، حکم ہوا کہ تم اپنی بیوی ہاجرہ کو اور اپنے چھوٹے سے دودھ پیتے بچے کو ساتھ لو اور ایک جگہ میرا گھر ہے، وہاں چھوڑ کر آؤ۔ یہ کتنا سخت امتحان ہے... اللہ اکبر!

یعنی جن لوگوں کے گھروں میں ایک مرد ہوتا ہے اور باقی عورتیں ہوتی ہیں، وہ دفتر بھی جاتا ہے تو اس کو فکر رہتی ہے کہ عورتوں کو کسی چیز کی ضرورت پڑ گئی تو کیا ہوگا، کوئی بیمار ہو گئی تو کیا ہوگا اور وہ فون کر کے پوچھتے رہتے ہیں کہ ہر چیز ٹھیک ہے؟ کوئی
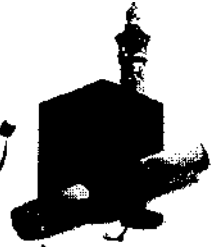
پریشانی تو نہیں؟ اور اگر گھر میں چھوٹا بچہ ہو تو پھر تو ذہن ہی اس طرف لگا رہتا ہے۔
اب ہم اپنے گھروں میں جہاں ہر Facility ہے، ہر سہولت کی چیز موجود ہے اور وہ Safe ہے، وہاں سے بھی بچے کو چھوڑ کر آئیں تو فکر لگی رہتی ہے، اور ابراہیم علیہ السلام کو کیا حکم ہوا؟ کہ جاؤ اور اپنی بیوی اور بچے کو میرے گھر کے قریب چھوڑ کر آؤ۔ چنانچہ بیوی کو ساتھ لیا اور چھوٹے سے بچے اسماعیل علیہ السلام کو ساتھ لیا اور لا کر ان کو بیت اللہ کے قریب چھوڑا اور وہاں رکنے کا حکم نہیں تھا، چھوڑا اور واپس آ گئے۔ اب وہ انجان جگہ ہے، ویران جگہ ہے، درخت وہاں نہیں، پانی ہے نہیں۔ اس وقت تک زم زم جاری نہیں ہوا تھا، خشک جگہ، خشک پہاڑی، اب وہاں بچے کو چھوڑا، بیوی کو چھوڑا، جو کچھ چھوٹا موٹا سامان تھا وہ رکھا اور چل پڑے۔ بیوی پوچھتی ہے کہ آپ ہمیں کیوں چھوڑ کر جا رہے ہیں؟ کوئی جواب نہیں دیا۔ دوبارہ پوچھا: کیوں چھوڑ کر جا رہے ہیں؟ کوئی جواب نہیں دیا، مگر ان کی بیوی تو بہت سمجھدار تھی، صحبت یافتہ تھی۔ اب تیسری مرتبہ اس نے اپنے Question کو تھوڑا سا بدلہ اور پوچھا: کیا آپ ہمیں اللہ کے حکم سے چھوڑ کر جا رہے ہیں؟ اب اس پر ابراہیم علیہ السلام نے زبان سے ہاں نہیں کی، صرف سر ہلا کر اشارہ کر دیا۔

مفسرین نے لکھا ہے کہ ان کے دل پر غم اتنا تھا کہ ویرانہ ہے، کوئی درندہ آ سکتا ہے، سانپ آ سکتا ہے اور بچے کو، بیوی کو کاٹ سکتا ہے، کوئی چور ڈاکو آ سکتا ہے، اللہ تیری شان! کیا کیا مسئلے ہیں، اور اکیلا چھوڑ کر سینکڑوں میل دور چلے جانا، ذرا تصور تو کریں... اللہ اکبر... یہ کتنا بڑا مجاہدہ تھا!

پھر بیوی نے کہا کہ اچھا! اگر آپ اللہ کے حکم سے چھوڑ کر جا رہے ہیں تو اللہ ہمیں

ضائع نہیں کریں گے۔ سبحان اللہ! یہی امتحان تھا۔ بیوی کے صبر کا، بیوی کے یقین کا اور بیوی کے ایمان کا امتحان تھا کہ یہ بندی ہمارے اوپر کتنا اعتماد رکھتی ہے۔ چنانچہ ابراہیم علیہ السلام نے سر سے اشارہ کیا اور چلے گئے۔ جب یہ پہاڑی سے تھوڑا سا آگے گئے تو پیچھے دیکھ کر دل بھر آیا، چونکہ بیوی بچوں کو وہاں اکیلا چھوڑا تھا، پھر وہاں کھڑے ہو کر دعا مانگی:

﴿رَبَّنَآ اِنِّیۡۤ اَسۡکَنۡتُ مِنۡ ذُرِّیَّتِیۡ بِوَادٍ غَیۡرِ ذِیۡ زَرۡعٍ عِنۡدَ بَیۡتِكَ الۡمُحَرَّمِ﴾

''اے ہمارے پروردگار! میں نے اپنی کچھ اولاد کو آپ کے حرمت والے گھر کے پاس ایک ایسی وادی میں لا بسایا ہے جس میں کوئی کھیتی نہیں ہوتی۔''

﴿رَبَّنَا لِیُقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ﴾

''اے ہمارے پروردگار! (یہ میں نے اس لیے کیا) تا کہ یہ نماز قائم کریں۔''

﴿فَاجۡعَلۡ اَفۡـِٕدَۃً مِّنَ النَّاسِ تَہۡوِیۡۤ اِلَیۡہِمۡ﴾

''لہذا لوگوں کے دلوں میں ان کے لیے کشش پیدا کر دیجیے۔''

﴿وَارۡزُقۡہُمۡ مِّنَ الثَّمَرٰتِ﴾

''اور ان کو پھلوں کا رزق عطا فرمایئے۔''

اب دیکھیں! وہاں درخت نہیں تھے اور ابراہیم علیہ السلام دعائیں مانگ رہے ہیں کہ اے اللہ! کھانے کو پھل دے دیجیے۔

﴿لَعَلَّہُمۡ یَشۡکُرُوۡنَ﴾ (ابراھیم:۳۷)

''تا کہ وہ شکر گذار بنیں۔''

ابراہیم علیہ السلام چلے گئے، تو پیچھے کیا ہوا؟ ایک دن ایک رات یا دو دن جب گزرے تو جو کچھ کھانا وغیرہ تھا وہ ختم ہوگیا، بی بی ہاجرہ کے سینے میں جو دودھ تھا وہ بھی ختم ہوگیا، اب بچہ رونے لگا، پینے کو پانی ہے نہ دودھ، اب وہ کیا کرے؟ بچے کو لٹایا اور چلی کہ میں جا کر پانی ڈھونڈوں، لیکن وہ دور کیسے جاسکتی تھی؟ ڈر تھا کہ میں اگر بچے سے ذرا دور چلی گئی تو پیچھے کوئی جانور آگیا تو وہ تو بچے کو اٹھا کر کھا جائے گا۔ اب دیکھو! ایک طرف بچے میں دل اٹکا ہوا ہے اور ایک طرف پانی کی تلاش۔ ایک چوٹی تھی، اس کا نام تھا صفا اور ایک اور چوٹی تھی، اس کا نام تھا مروہ۔ وہ پہلے صفا پر چڑھی کہ دیکھوں کہیں مجھے درخت نظر آئیں گے اور کہیں مجھے سبزہ نظر آئے گا تو میں سمجھ لوں گی کہ یہاں چشمہ ہے، پانی ہے، کچھ بھی نظر نہیں آیا۔ اب نیچے اتری، جب نیچے اتری تو اس کو بچہ نظر آنا بند ہوگیا۔ اب وہ چاہتی تھی کہ میں ذرا اور اونچا ہو جاؤں، تاکہ مجھے بچہ تو نظر آئے، وہ ایک جگہ سے دوسری جگہ کی طرف بھاگی، اس نے ایک چکر نہیں، بلکہ ان دو چوٹیوں کے درمیان سات چکر لگائے، اس ماں کے دل میں کیا گزر رہی ہوگی جس کا بچہ رو رہا ہے!؟ اور وہ ایک نظر بچے پر رکھتی ہے اور ایک نظر پہاڑی کی طرف، وہاں جاتی ہے کچھ نہیں نظر آتا پھر ادھر جاتی ہے، اللہ کو اس نیک بندی کا بھاگنا اتنا پسند آیا کہ اس کے اس عمل کو حج اور عمرے کا ایک حصہ بنا دیا۔

واہ بی بی ہاجرہ صابرہ! تیرا یہ بھاگنا اتنا اچھا لگا کہ جو بھی میرے گھر کا دیدار کرنے آئے گا وہ صفا پر چڑھے گا اور مروہ پر اور درمیان میں جو نشان لگے ہوئے ہیں ان کے درمیان سب بھاگیں گے، پیر بھی بھاگے گا، مرید بھی، عالم بھی، جاہل بھی، مفتی بھی، ولی بھی، حتیٰ کہ وقت کے نبی بھی ہونگے ان کو بھی بھاگنا پڑے گا۔

اب دیکھیے! ابراہیم علیہ السلام کی بیوی بھی کامیاب ہوگئی۔ یہ دوسرا امتحان تھا، تو پہلا امتحان ابراہیم علیہ السلام کی اپنی ذات پر آیا۔ یہ تو بہت مشکل تھا، لیکن ہمت والے برداشت کر جاتے ہیں۔ اور دوسرا امتحان ان کی بیوی پر آیا، یہ بھی مشکل تھا، مگر اس میں بھی وہ کامیاب ہوگئے، بیوی کو اکیلے چھوڑ دیا، اب جب ادھر ہاجرہ صابرہ پانی تلاش کر رہی تھیں اور اسماعیل علیہ السلام رو رہے تھے تو روایات میں آتا ہے کہ اللہ نے جبریل علیہ السلام کو بھیجا اور انہوں نے پَر مارا، زمین وہاں سے پھٹی اور چشمہ پھوٹ پڑا، اس کے بعد اس جگہ پر پانی مہیا ہوا، اس سے پہلے پانی نہیں تھا۔

(صحیح بخاری، حدیث: ۳۳۶۴)

دیکھو! اللہ تعالی نے ہاجرہ صابرہ کے لیے پانی کا بھی انتظام کر دیا، کھانے کا بھی انتظام کر دیا اور حفاظت بھی فرما دی۔ ابراہیم علیہ السلام کبھی کبھی آتے تھے اور بیوی بچوں کی خیر خبر لے کر پھر چلے جاتے تھے۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام کا امتحان:

تیسرا امتحان سب سے زیادہ مشکل تھا۔ اللہ اکبر! کہنا آسان ہے، لیکن کرنا بہت مشکل کام ہے۔ وہ یہ کہ اللہ تعالی نے ابراہیم علیہ السلام کو خواب میں دکھایا کہ میں اپنے بچے کو اللہ کے نام پر قربان کر رہا ہوں۔ اور انبیاء کرام علیہم السلام کے خواب سچے ہوتے ہیں، تو ابراہیم علیہ السلام سمجھ گئے کہ اللہ تعالی چاہتے ہیں کہ میں قربانی پیش کروں۔ ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بچے سے پوچھا:

﴿يٰبُنَيَّ﴾

''اے میرے بیٹے!''

﴿اِنِّیْٓ اَرٰی فِی الْمَنَامِ﴾

''میں نے خواب میں دیکھا ہے۔''

﴿اَنِّیْٓ اَذْبَحُكَ﴾

''میں تجھے ذبح کر رہا ہوں۔''

﴿فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰی﴾ (الصافات:۱۰۲)

''تو بتا تیری کیا رائے ہے؟''

مفسرین نے لکھا ہے کہ انہوں نے یہ جو پوچھا کہ تیری کیا رائے ہے، اس کا یہ مطلب نہیں تھا کہ اگر تو چاہتا ہے تو کروں گا اور اگر تو نہیں چاہتا تو نہیں کروں گا، بلکہ پوچھنے کا مقصد یہ تھا کہ بیٹا! تو چاہتا ہے تو چاہنے والوں والا سلوک کروں گا، اگر نہیں چاہتا تو نہ چاہنے والوں جیسا سلوک کروں گا، قربان تو تجھے اللہ کے نام پر کرنا ہی ہے۔

اور بعض مفسرین نے کہا کہ نہیں! مقصد یہ تھا کہ یہ میرا بیٹا ہے، اللہ کے نام پر قربان ہونے کے لیے تیار ہو جائے گا، اس لیے پوچھا کہ مجھے تو ثواب ملے گا ہی سہی، ہاں کرنے پر میرا بیٹا بھی ثواب کے اندر شریک ہو جائے گا۔

اچھا! اب بیٹا تیار ہے، ابراہیم علیہ السلام نے اپنی بیوی سے فرمایا کہ بچے کو تیار کرو، ہم نے کسی بڑے سے ملنے کے لیے جانا ہے۔ لگتا یہ ہے کہ ابراہیم علیہ السلام اس وقت ''مسجد خیف'' کی طرف رہتے تھے، تو انہوں نے اپنی بیوی سے فرمایا کہ اس کو نہلا دو، لباس اچھا پہنا دو۔ پوچھا: کہاں جانا ہے؟ فرمایا کہ کسی بڑے سے ملاقات کے لیے جانا ہے۔ صاف نہیں بتایا کہ آج میں کیا کرنا چاہتا ہوں، اپنے ساتھ چھری بھی لے لی، تیاری بھی کر لی۔ بی بی ہاجرہ نے اپنے بچے کو نہلا بھی دیا اور صاف لباس پہنا بھی دیا

اور بچہ ابو کے ساتھ خوشی خوشی چل بھی پڑا۔

پہلا حملہ:

کہتے ہیں کہ تین مرتبہ شیطان نے حملہ کیا، حقیقت کیا تھی؟ وہ تو اللہ جانتا ہے، لیکن کتابوں میں جو بات لکھی ہوئی ہے وہ یہ کہ جہاں رمی کرنے کی پہلی جگہ بنی ہوئی ہے وہاں پر شیطان نے ابراہیم علیہ السلام کے دل میں شک ڈالنے کی کوشش کی، کنفیوز کرنے کی کوشش کی، کہ آپ بچے کو ذبح کرنے جارہے ہیں؟ کہا: ہاں۔ کہنے لگا: کبھی نہ کرنا، دیکھو! آدم علیہ السلام کے دو بیٹے تھے، قابیل نے ہابیل کو قتل کیا تھا تو ساری دنیا میں اس کی بدنامی ہوئی، تیری بھی بدنامی ہو جائے گی۔ ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: تُو تو شیطان نظر آتا ہے، بدبخت! قابیل نے اپنے بھائی کو قتل کیا تھا اپنی شہوت کی خاطر اور میں بیٹے کو ذبح کروں گا اللہ کے حکم کی تعمیل کی خاطر، تو میری بدنامی کیسے ہوگی؟ چنانچہ شیطان کا داؤ نہ چل سکا۔ تو جس جگہ شیطان نے پہلا وسوسہ ڈالا تھا وہاں سب سے پہلے شیطان کو کنکریاں ماری جاتی ہیں۔

دوسرا حملہ:

پھر جب وہاں سے آگے چلے تو شیطان نے بی بی ہاجرہ کے ذہن میں وسوسہ ڈالا کہ پتہ ہے کہ تمہارا بیٹا کہاں جارہا ہے؟ کہا: کسی بڑے کی ملاقات کے لیے۔ شیطان نے کہا: کوئی نہیں! وہ تو اپنے باپ کے ساتھ جارہا ہے، اس کا باپ تو اس کو قتل کرے گا۔ اِس

وقت یہ بوڑھے کی شکل میں تھا، انہوں نے کہا: بڈھے! تیری عقل ماری گئی ہے، بھلا کوئی باپ بھی اپنے بیٹے کو قتل کرتا ہے؟ اس نے کہا: ہاں ہاں! ان کو اللہ کا حکم ہوا ہے، جب یہ سنا تو کہا: اچھا! اگر اللہ کا حکم ہے تو میں خود چاہتی ہوں کہ میرا بیٹا اللہ کے نام پر قربان ہو جائے۔ یہ اس کا دوسرا داؤ بھی ناکام ہو گیا۔

تیسرا حملہ:

اور جہاں تیسری جگہ ہے وہاں پہنچے تو شیطان نے تیسرا اور آخری داؤ لگایا۔ وہ اسماعیل علیہ السلام کے پاس آیا، کہنے لگا: بچے! تجھے پتہ ہے کہ تیرے ساتھ آج کیا ہونے لگا ہے؟ فرمایا کہ ہاں! میں نے سنا ہے کہ کسی بڑے سے ملاقات کے لیے جا رہے ہیں۔ اس نے کہا: کوئی نہیں! تیرا والد تجھے ذبح کرنے جا رہا ہے۔ انہوں نے کہا کہ کبھی ایسا ہو سکتا ہے کہ ابو اتنے شفقت کرنے والے، محبت کرنے والے ہیں تو وہ مجھے ذبح کر دیں گے؟ اس نے کہا: ہاں ہاں! ان کو اللہ کا حکم ہوا ہے۔ جب اس نے یہ کہا تو اسماعیل علیہ السلام نے آگے سے جواب دیا کہ اچھا! اگر اللہ کا حکم ہوا ہے تو میں ذبح ہونے کے لیے تیار ہوں۔ تو اس کا تیسرا داؤ بھی ناکام ہو گیا۔

اب جب تیسری جگہ پہنچے تو آپ اگر وہاں غور کریں تو Left side پہ بھی پہاڑ ہیں اور Right side پہ بھی پہاڑ ہیں، اس وقت یہ پہاڑ آپس میں ملتے تھے اور درمیان میں چھوٹا سا باہر نکلنے کا راستہ تھا، اس کو "درّہ" کہتے تھے اور ادھر کی سائیڈ پر منیٰ تھی اور درّے سے نکلتے تھے تو منیٰ سے نکل جاتے تھے۔ جب آخری مرتبہ شیطان نے حملہ کیا تو ابراہیم علیہ السلام اس درّے سے نکل کر باہر کھلی جگہ پر آ گئے، اس وقت بیٹے نے پوچھا: ابا جان! اب تو ہم کھلی جگہ پر پہنچ گئے ہیں جس سے میری ملاقات

کروانی ہے کب اس سے ملاقات ہوگی؟ تب ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو کہا کہ

﴿يٰبُنَيَّ﴾

''اے میرے بیٹے!''

﴿اِنِّيْٓ اَرٰى فِي الْمَنَامِ﴾

''میں نے خواب دیکھا ہے۔''

﴿اَنِّيْٓ اَذْبَحُكَ﴾

''میں تجھے ذبح کر رہا ہوں۔''

﴿فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى﴾

''تو بتا تیری کیا رائے ہے؟''

﴿قَالَ﴾

''بچے نے آگے سے جواب دیا۔''

﴿يٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ﴾

''اے ابا جان! کر گزریے جس کا آپ کو حکم ہوا۔''

﴿سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ﴾ (الصافات:۱۰۲)

''آپ ان شاء اللہ مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے۔''

سبحان اللہ! اللہ ایسا صابر بیٹا ہر ایک کو عطا فرمائے۔ کیا اللہ کی محبت اس بچے کے دل میں ہوگی!! چنانچہ ابراہیم علیہ السلام نے اس بچے کو ذبح کرنے کے لیے وہاں لٹایا۔ کتابوں میں لکھا ہے کہ بچے نے والد کو کہا کہ ابا جان! آپ دو کام کیجیے: اپنی آنکھوں پر پٹی باندھ لیں، تاکہ آپ کو نظر کچھ نہ آئے، ورنہ جب آپ چھری چلائیں گے اور آپ کو گلا کٹتا نظر آئے گا تو

کہیں آپ کا ہاتھ کمزور نہ ہو جائے۔ اور دوسری بات یہ کہ عام طور پر ذبح کرنے والے کو جب لٹاتے ہیں تو اس کی پشت نیچے ہوتی ہے اور چہرہ اوپر ہوتا ہے، انہوں نے کہا کہ ابا جان! مجھے الٹا لٹا دیجیے، تاکہ میرا چہرہ بھی آپ کے سامنے نہ ہو۔ پھر بچے نے تیسری بات کہی کہ ابا جان! جب آپ مجھے ذبح کر لیں تو پھر یہ میرے کپڑے اتار لیجیے گا اور جا کر میری امی کو دکھا دیجیے گا کہ تمہارا بیٹا اللہ کے نام پر اپنی جان قربان کر گیا۔

اللہ اکبر! جو باپ اپنے بیٹے کا سر درد نہیں برداشت کر سکتا، چھوٹی سی چوٹ ہو تو وہ نہیں برداشت ہوتی، اپنے ہاتھوں سے اپنا بیٹا ذبح کرنا، یا اللہ! اتنا بڑا امتحان!! ابراہیم علیہ السلام اللہ کے نبی تھے، وہ جانتے تھے کہ جب یہ جان دی ہی اللہ نے ہے تو اگر وہ واپس لینے کا حکم دے تو جیسے چاہے وہ لے سکتا ہے۔ چنانچہ انہوں نے بچے کو ذبح کرنے کے لیے لٹایا، جب ذبح کیا، دیکھا تو بچہ تو محفوظ تھا اللہ نے اس کی جگہ ایک مینڈھا بھیج دیا۔

ہم یہاں بیٹھے ہیں ہمارے پیچھے جو پہاڑ ہے، اس میں ایک غار ہے اس میں نبی علیہ السلام پر ''سورۃ المرسلات'' اتری، اس پہاڑ پر وہ مینڈھا اترا تھا، پھر وہ اللہ نے فرشتوں کے ذریعے نیچے اتار دیا، بچے کو نکال لیا۔ ابراہیم علیہ السلام نے جب پٹی کھولی تو مینڈھا ذبح ہوا تھا، اب ہر بندہ کہتا ہے کہ یہ کام بڑا مشکل بڑا مشکل، جس طالب علم سے بھی پوچھو وہ کہتا ہے: جی! امتحان بڑا مشکل بڑا مشکل، مزہ کی بات تو یہ ہے کہ امتحان لینے والا کہے کہ امتحان بڑا مشکل تھا۔ ابراہیم علیہ السلام کا امتحان ایسا تھا کہ اللہ فرماتے ہیں:

﴿إِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلٰٓؤُا الْمُبِيْنُ﴾

''بے شک یہ بہت بڑی آزمائش تھی۔''

﴿وَفَدَيْنَاهُ بِذِبْحٍ عَظِيمٍ ۝ سَلٰمٌ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ﴾
(الصافات:۱۰۶-۱۰۷)

سَلٰمٌ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ کا کیا معنی؟ کہ ابراہیم! تم پر سلامتی ہو، ابراہیم! تجھے شاباش ہو، ابراہیم! تو جیندا رہ، ابراہیم! جیتے رہو، تم نے واقعی میری محبت کا حق ادا کر دیا۔

یہ تین امتحان آئے تھے، والد پر بھی آیا، بیوی پر بھی آیا، بچے پر بھی آیا اور سب کامیاب ہو گئے۔ اب یہ ایک نمونے کا گھرانہ بن گیا، ماڈل گھرانہ بن گیا۔ رب کریم نے فرمایا: ابراہیم! اب میرا گھر بھی بناؤ اور گھر بنا کر آواز لگاؤ کہ لوگو! اللہ کے گھر کی طرف حج کے لیے آؤ۔ چنانچہ اسماعیل علیہ السلام ذرا بڑے ہو گئے تھے، انہوں نے اپنے والد کی مدد کی۔ ابراہیم علیہ السلام نے پہلے بیت اللہ کو بنایا پھر آواز لگائی، اللہ نے سارے انسانوں تک پہنچائی، جس جس نے سنا وہی آج "لبیک لبیک" کہتا ہوا حج کے لیے آتا ہے۔

حج کا مقصد ایک فقرے میں:

اب یہاں ذرا ایک نکتے کی بات سمجھیں! کہ آپ حج کر کے واپس جائیں گے اور آپ سے کوئی پوچھے کہ حج کا مقصد ایک فقرے میں بیان کرو تو آپ کیا بیان کرو گے؟ پہلے سنیے کہ ہم امتِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور ملت ہیں ابراہیم علیہ السلام کی، تو ایک فقرے میں حج کا مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ملت ابراہیمی کو مزاجِ ابراہیمی سمجھانے کے لیے اپنے گھر بلایا۔ اے میرے بندو! تم دیکھنا چاہتے ہو کہ میرے بندے کا مزاج کیسا تھا، تو آؤ، اب کوئی افریقہ سے آئے گا، کوئی امریکہ سے، کوئی یورپ سے، کوئی فلاں جگہ سے، کوئی فلاں جگہ سے، فرمایا: سب آؤ اور آ کر تم یہاں نشانیاں دیکھو گے، تو تب تمہیں پتہ چلے گا کہ مقصد زندگی کیا ہے۔ اب تو تم دنیا میں ایسے رہتے ہو جیسے یہی تمہارا

اپنا گھر ہے، تم مزے کی زندگی چاہتے ہو، Enjoy کرنا چاہتے ہو، میرے بندو! یہ اختیار کرنے کی جگہ ہے ہی نہیں، جو میں نے اختیار کرنے کی جگہ بنائی ہے وہ تو جنت ہے، اور تم یہیں دل لگا کے بیٹھ گئے ہو، تم دنیا میں ایسا پھنسے ہو کہ تمہارے لیے نمازیں پڑھنا مشکل، تم ایسے پھنسے کہ تمہارے لیے پردہ کرنا مشکل، نگاہ کی حفاظت مشکل، دین پر عمل کرنا مشکل، تم تو مقصد بھول گئے، اچھا آؤ! میں تمہیں مقصد یاد دلاتا ہوں، ذرا چھوڑو اپنے گھر کو، چھوڑو فاخرانہ لباس کو، چھوڑو اپنی چاہتوں کو، آجاؤ میرے گھر کی طرف، بالکل میرے دیوانے مستانے عاشق بن کر، "لبیک اللھم لبیک" کہتے کہتے، اور آؤ گے تو تم احد بھی دیکھو گے، بدر بھی دیکھو گے، صفامروہ بھی دیکھو گے، جب شیطان کو کنکریاں مارو گے تو تمہیں پتہ چل جائے گا کہ میرے ابراہیم خلیل اللہ کیسے تھے۔ وہ گھرانہ مجھے بہت پسند آیا، اس کو میں نے انسانوں کا امام بنایا، تم ان کے نقش قدم پر چلو گے تو میں تمہیں بھی قبولیت عطا فرمادوں گا۔ چنانچہ ہم یہاں پر صرف اعمال کرنے کے لیے نہیں آئے، بلکہ ہم سبق حاصل کرنے کے لیے آئے ہیں، سبق سیکھنے کے لیے آئے ہیں۔ یہاں پر ہم اپنی بات کو مکمل کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس حج کے سفر میں سبق سیکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

لئے تربیتی بیانات
اللہ اللہ اللہ
سکونِ دل
مرتب
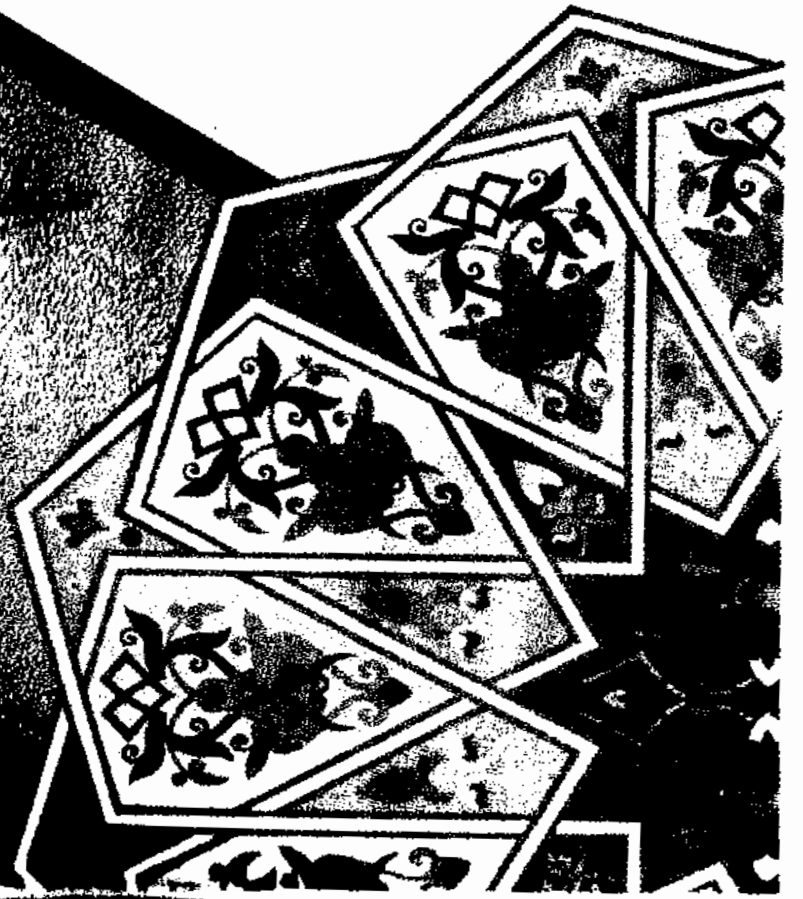
وَمِنْ اٰیٰتِهٖۤ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْۤا اِلَیْهَا

اور اس کی نشانیوں میں سے ہے یہ کہ بنادیئے تمہارے واسطے تمہاری قسم سے جوڑے کہ چین سے رہو ان کے پاس

شادی خانہ آبادی

محبوب العلماء والصلحاء

حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہ

مجموعہ رسائل

حضرت خواجہ یوسف ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ

مغربی ممالک کی لائبریریوں سے بڑی تگ ودو کے بعد حاصل کیے
گئے نایاب مخطوطات اور ان کا پہلی بار اردو ترجمہ

۱... رسالہ صاحبیہ
۲... رتبۃ الحیات
۳... آداب طریقت
۴... انسان وکائنات
۵... در بیان توحید

مترجم

محبوب العلماء والصلحاء
حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہ

معاون

حضرت مولانا صاحبزادہ حبیب اللہ احمد نقشبندی مجددی مدظلہ

مرتب

ڈاکٹر شاہد محمود نقشبندی غفرلہ

MAKTABA-TUL-FAQEER

مکتبۃ الفقیر

کی بگڑی زندگیوں کو سنوارنے والی

روشن کتابیں

محبوب العلماء والصلحاء حضرت مولانا

پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہم

کی علمی، ادبی اور اصلاحی تصنیفات

علماء اور طلباء کرام کیلئے

خواتین کیلئے مفید عام کتب

فکر آخرت پیدا کرنے کیلئے

حقیقی عشق و محبت پیدا کرنے کیلئے

تصوف (روحانی سفر طے کرنے کیلئے)

دیگر کثیر الاشاعت روحانی تصانیف

محبوب العلماء والصلحاء حضرت مولانا

پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہم

کی علمی، ادبی اور اصلاحی تصنیفات

زادِ حرم

حرمین شریفین
میں فرمائے گئے بیانات

حضرت جی مدظلہ کی مقبول کتاب ''سوئے حرم'' کے بعد
زائرینِ حرم کے لیے بے مثال اور انتہائی مفید کتاب

تین مراکزِ تجلیات

ہدایات برائے حجاج کرام

حج اور نماز کے معارف

مقبول بندوں کا گھرانہ

تین امتحان

مطالعہ کیجیے اور اپنے سفرِ شوق میں نکھار پیدا کیجیے

مکتبۃ الفقیر
223 سنت پورہ فیصل آباد
+92-041-2618003